ناصر جنگ شہیدؒ

رہبر فاروقی

۷۸۶
۹۲

سلطنتِ آصفیہ کا گُم شدہ دور

ناصر جنگ شہیدؒ

حضرت نظام الملک آصف جاہ اوّل (طاب ثراہ) بانیٔ سلطنتِ آصفیہ (دکن)

کے

خلف الرشید جانشین

نواب میر احمد خاں نظام الدولہ

کے

خوں چکاں سوانح

اور

ہندوستان میں مُلک گیری کے لیے یورپی اقوام کے
ابتدائی کارنامے

مُرتبہ

(ابنِ مظہر قاضی معین الدینؒ) رہبر فاروقی (مؤلف اسلامی طب)

۱۳۶۲ھ
۱۹۴۳ء

قیمت (عما/۸ر)

اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پبلشرز حیدرآباد دکن

فہرستِ مندرجات

پہلا باب

لڑکپن سے تخت نشینی تک

(از صفحہ ۱۵ تا ۴۶)

دوسرا باب

تخت نشینی اور دوسرے حالات

(از صفحہ ۴۷ تا ۱۴۲)

تیسرا باب

ناصر جنگ کی شہادت اور اس کی تفصیلات

از صفحہ (۱۴۳ تا ۱۶۲)

چوتھا باب

علوم وفنون سے دلچسپی، اُس میں مہارت اور ان کی شاعری۔

از صفحہ (۱۷۳ تا ۱۸۴)

مآخذ

قلمیات

(۱) احوالِ سردارانِ دکن (تاریخ) نام مصنف ندارد فارسی

(۲) انشائے موسوی خاں جرأت۔ میر منشی حضرت آصف جاہ بہادر . فارسی

(۳) انشائے میر محمد ہاشم میر محمد ہاشم موسوی خاں جرأت میر منشی دربارِ آصفی فارسی

(۴) انور نامہ (منظوم تاریخ) مولانا اسمٰعیل بجدیؔ مکتوبہ سنہ ۱۳۱۷ھ فارسی

(۵) بساط الغنائم (تاریخ) لچھمی نارائن شفیق اورنگ آبادی فارسی

(۶) بہارستانِ سخن (تذکرہ) عبد الحی خاں صمصام الدولہ خلف شاہ نواز خاں صمصام الدولہ دیوانِ دکن فارسی

(۷) تاریخ آصف جاہی منشی قادر خاں بیدری مکتوبہ سنہ ۱۲۶۶ھ در قلعہ بیدر .... فارسی

(۸) تاریخ اساسِ ریاست کرناٹک خیر الدین خاں محمود جنگ .... فارسی

(۹) تاریخ ظفرہ گردھاری لال 〃

(۱۰) تاریخ فتحیہ یوسف محمد خاں اعظم شاہی مکتوبہ سنہ ۱۲۷۰ھ مملوکۂ دفتر دیوانی سرکارِ عالی .... فارسی

(۱۱) تاریخ مظفری محمد علی خاں انصاری ولد ہدایت اللہ خاں بن شمس اللہ تالیف سنہ ۱۲۰۲ھ ...... 〃

(۱۲) تحفۃ الشعراء (تذکرہ) مرزا افضل قاقشال اورنگ آبادی تالیف سنہ ۱۱۶۵ھ .... 〃

(۱۳) تاریخ فرخندہ منشی قادر خاں بیدری مکتوبہ سنہ ۱۲۵۲ھ (دو نسخے) 〃

(۱۴) توزک والاجاہی (تاریخ) سید برہان خاں بن سید حسین خاں ہانڈی تالیف سنہ ۱۱۹۵ھ مملوکہ مولوی محمد ظہور میاں صاحب .... فارسی

(۱۵) خزانۂ رسول خانی (تاریخ) فیض حق سنہ ۱۲۹۹ھ ..... 〃

(۱۶) راحت افزا (تاریخ) محمد علی بن محمد صادق مکتوبہ ۹۵ھ (دو نسخے) .... فارسی

(۱۷) سوانح دکن (تاریخ) منعم خاں ہمدانی سنہ ۱۱۹۰ھ ...... 〃

(۱۸) شجرۂ آصفیہ بدر الدین خاں تمیز ...... 〃

(۱۹) گوہر شاہ وار (تاریخ) فیض حق .... 〃

(۲۰) لمعۃ الشمس (منظوم سوانح عمری) محمد تقی ہمدم ... 〃

(۲۱) ماہ نامہ (تاریخ) غلام حسین جوہر فارسی

(۲۲) مرآۃ الصفا (تذکرہ) محمد علی بن محمد صادق میر منشی

صمصام الدولہ شاہ نواز خاں مکتوبہ ۱۲۱۲ھ .... "

(۲۳) مکاتیب سرداران دکن و ٹیپو سلطان مملوکہ

مولوی شیخ محمد بکران صاحب - فارسی

(۲۴) مکتوبات شاہ نواز خاں - عبدالرزاق

صمصام الدولہ صاحب مآثر الامراء وزیر اعظم ناصر جنگ

مصحوبہ بہ دیگر کتب .... فارسی

مطبوعات

(۲۵) اے ہسٹری آف دی مرہٹاز گرانٹ ڈف

رزیڈنٹ ستارا مطبوعہ ۱۸۲۶ء انگریزی

(۲۶) بستان آصفیہ (تاریخ) مانک راؤ وٹھل راؤ۔

(۲۷) پرائیوٹ ڈائری آف آنند رنگا پلے

مطبوعہ گورنمنٹ پریس مدراس ۱۹۰۴ء ..... انگریزی

(۲۸) تاریخ دکن نواب اختر یار جنگ و نواب فصاحت جنگ

بہادر جلیل .... اردو

(۲۹) تاریخ دلیر جنگی - محمد عظیم الدین جامع الاخبار مدراس

(۳۰) تاریخ ریاست حیدرآباد دکن نجم الغنی اردو

(۳۱) تاریخ یادگار لچھمن لال ..... فارسی

(۳۲) چمنستان شعراء (تذکرہ) لچھمی نارائن شفیق "

(۳۳) حدیقۃ العالم میر ابوالقاسم المخاطب نواب

میر عالم بہادر وزیر اعظم دکن ..... فارسی

(۳۴) خزانۂ عامرہ (تذکرہ) علامہ آزاد بلگرامی۔ "

(۳۵) خورشید جاہی (تاریخ) غلام امام خاں ہجر "

(۳۶) دبدبۂ نظام (تاریخ) .... اردو

(۳۷) دربار آصف (تاریخ) غلام صمدانی گوہر اردو

(۳۸) دیوان ناصر جنگ مرتبہ دولت یار جنگ فدائی فارسی

(۳۹) ڈوپلے اینڈ کلائیو - ہنری ڈاڈول بترجمہ دارالترجمہ

حیدرآباد ۱۹۲۷ء و اصل مطبوعہ لندن ۱۹۲۰ء ..... انگریزی

(۴۰) رسالۂ دربار آصفیہ لالہ منسا رام پیش کار

آصف جاہ اول .... فارسی

(۴۱) رشید الدین خانی (تاریخ) غلام امام خاں اردو

(۴۲) سرو آزاد (تذکرہ) علامہ میر غلام علی آزاد

بلگرامی .... فارسی

(۴۳) سیر المتاخرین (تاریخ) منشی غلام حسین۔ فارسی

(۴۴) گلزار آصفیہ (تاریخ) حکیم خواجہ غلام حسین..... فارسی

(۴۵) مآثر الامراء (تذکرہ) شاہ نواز خاں.... "

(۴۶) نگارستان آصفی (تاریخ) منشی التفات حسین.... "

(۴۷) ہسٹاریکل اسکیچز آف دی ساؤتھ انڈیا

کرنل مارکس ویلکس پولیٹیکل رزیڈنٹ میسور مطبوعہ

مدراس ۱۸۶۹ء .... انگریزی

پیش کتاب

سب ہی جانتے ہیں کہ مسلسل ہزاروں سال تک ہندوستان کی تاریخ اس کے شمال مغربی گوشوں سے سر نکالتی، گنگا، جمنا کی وادیوں میں سیراب ہوتی اور تمام ہند پر چھاتی رہی لیکن اس کا کوئی "دانائے راز" ہے، کہ کیوں؟ صدیوں بعد دکن کی سرزمین منتخب ہوئی، اور وہاں سے ایک اجلِ مسمّٰی پر سیلاب اٹھا نہ صرف جزیرہ نمائے اعظم کی بساطِ بسیط پر محیط ہو گیا، بلکہ "سوادِ ارض" کے اکثر حصے غرقاب ہو گئے اور اسی جنوبی ہند کے قریباً دو سو سال قبل کے واقعات اور ان کے نتائج ہیں جن کی بنیادوں پر آج بھی ہند کی موجودہ تاریخ کی عمارت کھڑی ہے سب سے پہلے اس کا آغاز، جس عہد سے ہوا، وہ حضرت نظام الملک آصف جاہ اول (علیہ الرحمہ) بانئ سلطنت آصفیہ کے صاحبزادے دکن کے تاجدار نواب ناصر جنگ شہید کا دور ہے جو اتنی اہمیت رکھنے کے بعد باوجود اس کے دامن میں اس قدر کم معلومات تھے جس سے تاریخ دکن ہی "تشنہ تکمیل" نہ تھی، بلکہ ہندوستان میں مغربی اقوام کی ابتدائی تاریخ کے ابواب بھی نامکمل تھے۔ اسی لیے جب تک جنوب کے حالات تحقیق و تفصیل سے بیان نہ ہوں گے اس وقت تک یقیناً، موجودہ تاریخ کا نشو و ارتقا، سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ یہ کتاب "مقامی حیثیت" ہی نہیں رکھتی، بلکہ کل ہند اثر کی حامل اور اس کی پہلی کڑی ہے۔

عہد آصفی کی تاریخ کے نفوذ کا تو یہ درجہ ہے، لیکن وہ ابھی تک، "قومی غفلت" سے کالجرادِ المنتشر کی صورت میں پڑی ہے۔ خصوصیت سے ناصر جنگ، مظفر جنگ اور صلابت جنگ کے دور تو انتہائی تاریکی میں ہیں۔ یہ صورت حال اسی خاندان تک محدود نہیں، بلکہ دکن کے سارے گذشتہ ادوار بھی اسی کس مپرسی کا شکار ہیں۔

ایک ترقی پذیر قوم کے لیے اس کی تاریخ' جس قدر ضروری' اور اس کے واسطے جتنی اہمیت رکھتی ہے' اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ ہماری مملکت بھی دودمانِ آصفی کے گلِ سرسبد حضرت آصف جاہ سابع (ادام اللہ ایا مہ) کی بے مثال جہاں بانی سے آج جو شائستہ و ترقی یافتہ ممالک کے دوش بدوش کھڑی ہے' اگر اس کے پاس اس کی صحیح و مکمل تاریخ موجود نہ ہو تو یہ اس کی "متمدنہ مرتبت" کے لیے بہت بڑا نقص ہے اور اس فرض کی ذمہ داری ہماری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ اگر اس جانب جلد توجہ نہ کی گئی تو یہ عیب ہمارے ہی واسطے شرمندگی کا سبب نہ ہو گا' بلکہ آئندہ نسلیں بھی مطعون کریں گی۔

ہمیں اکثر تعجب رہا کیا کہ ہماری "سلطنت ابد مدت" جہاں مختلف قوم سازی کی مہمات میں مصروف ہے' وہاں اس نے جامعۂ عثمانیہ میں (جو قومی ترقیوں کا ایک عظیم سرچشمہ ہے) مختلف ملکوں کی تاریخوں کے درس و تدریس کا تو انتظام کر رکھا ہے اور نہیں کیا ہے تو اسی وطن کی سرزمین کی تاریخ کا' جس پر' اور جس کے فرزندوں کے واسطے اُسے وجود میں لایا گیا' اور جس خانوادۂ جلیلہ کے بادشاہ نے اُسے شہود بخشا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہماری قوم ساری دنیا کی تاریخ سے تو خوب واقف ہے۔ لیکن اپنے ہی ملک کی تاریخ سے (جس کی گود میں وہ پل رہی ہے' جہاں اس کا تمدن ماضی سے وابستہ' اور روایاتِ آبائی پر کھڑا ہے اور اُسے اپنی ساری صلاحیتوں کو اپنے ہی وطن میں صرف کرنا ہے) بے بہرہ نظر آتی ہے تعلیم یافتہ طبقے میں بھی اس موضوع کے ماہر نہیں ملتے اور جو لکھنے والے موجود ہیں ان کا "موضوعِ خاص" نہ ہونے کی وجہ سے ان کے معلومات کوئی معیاری درجہ نہیں رکھتے (اِلَّا مَا شَاءَ اللہ)

اگر ہماری حکومت' مختلف طبقات میں ہم آہنگی' رواداری کی آرزو مند' اور ملک کی رعیت خوش حال' وفادار و پُرامن رکھنا چاہتی ہے تو اُسے چاہیے کہ وہ تاج و تخت آصفی کے ساتھ ساری میں سچی عقیدت اور گہری محبت کی روح پھونک دے' اور یہ مسیحائی صرف تاریخ سے ممکن ہے ساتھ ساتھ اس کا اظہار بھی ضروری ہے کہ "دکن کی تاریخ" صرف کسی سرکاری محکمے کے علمی سرمایہ میں

محفوظ نہیں، علاوہ ہند و بیرون ہند کے، یہاں کے علم دوست اصحاب اور امراء کے خاندانوں میں بھی قلمیات کی صورت میں بند پڑی ہے، اسی لیے یہ مضمون وسیع تلاش اور عمیق مطالعے کا محتاج ہے۔

الحاصل اور سلاطین سے صرفِ نظر کرکے، راقم الحروف کی شکل پسندی نے اپنی سلطنت اور اپنے ملک کی حقیقی خدمت، سب سے اہم اور پیچیدہ دور، یعنی نواب ناصر جنگ شہیدؒ کے حالات قلم بند کرنے میں سمجھی، چناں چہ سنہ ۱۳۵۵ھ میں اس کام کا آغاز کیا، جب اس کی نسبت مکرم و محترم ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زورؔ (پروفیسر جامعۂ عثمانیہ) سے گفت و گو کی تو ان ہی کے ارشاد پر ۱۳۵۸ھ میں اس کو بڑی حد تک مکمل کرکے "ادارۂ ادبیاتِ اردو" کے حوالے کیا تھا، اور ادارے نے "سرگذشت ۱۹۴۰ء" میں اسے اپنے سلسلے میں شامل کرکے طبع کرنے کا اعلان بھی کیا، لیکن بدقسمتی سے شایع ہونے کا موقع نہ مل سکا۔ اس کی موجودہ اشاعت سے قبل تک اس موضوع پر مطالعہ برابر جاری رہا اور نہایت اہم مواد دست یاب ہوا۔ اس تعویق سے یہ فائدہ پہنچا کہ یہ کتاب مولف کی امکانی حد تک مکمل معلومات پر حاوی ہو گئی۔ کئی سال تلاش و تفحص کے جاری رہنے اور اس قدر اہم اصل ماخذ کے فراہم ہو جانے سے ایقان ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ مظلوم نواب شہیدؒ کی روحی تائید کے سوا ممکن نہ تھا، چوں کہ "ادارۂ ادبیات" سے ابھی اس کی اشاعت میں تعویق تھی، اور ایک طویل عرصے تک اپنی محنت کا اسی طرح پردۂ خفا میں رہنا گوارا نہ ہوا، کاغذ کی عدم دست یابی اور خوف ناک گرانی کے باوجود، خود کمر ہمت باندھی، عزم کیا، کارساز نے اسباب مہیا فرمائے اور طباعت سے مزین ہو کر ناظرین تک پہنچ گئی۔

آج تک "دورِ آصفی" پر جتنی معتبر کتابیں، فارسی، انگریزی اور اردو میں لکھی گئی ہیں (خواہ وہ قلمی ہی ہوں) ان میں کسی نے نواب شہید کے حالات استقصاء و تفصیل سے بیان نہیں کیے۔ جو کچھ مواد ملتا ہے، ان کی کائنات معدود صفحات سے زیادہ نہیں،

اور بدنصیبی سے ناصر جنگ رح کی شہادت کے کئی برس بعد تک، دکن سے سکون و اطمینان مفقود رہا، اسی لیے اس دَور میں کسی مورخ کو انقلابات نے موقع نہ دیا کہ وہ اس طرف متوجہ ہوتا اور نہ بعد ہی کے مورخین، معرکوں میں شریک رہنے والوں سے معلومات حاصل کرکے ان کو بہ تفصیل تحریر میں لاسکے، لیکن اس کے باوجود یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ نواب مرحوم کے دربار کے اکثر اہلِ علم نے جدا جدا طور پر جو جو واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے ان کو اپنی تالیفات میں مرتب کرنے سے غفلت نہ کی۔ ان ہی بزرگوں کا احسان ہے کہ دکن کی اُلجھی ہوئی سیاست کا یہ ابتدائی باب جو یک سر مفقود تھا، گم نامی سے نکل آیا۔

کسی مؤلف و مصنف کو دعویٰ نہیں ہو سکتا کہ اس نے اپنے موضوع کا بالتمام احاطہ کرلیا ہے، اسی لیے نواب ناصر جنگ کی نسبت کہیں کچھ مزید معلومات موجود ہوں، یا نکل آئیں تو تعجب نہ ہوگا۔ اس کتاب کو ہم نے قصداً اپنا اندازِ بیان چھوڑ کر بہت ہی سیدھے سادے اسلوب میں لکھا ہے اور عبارت میں اس قدر روانی اور تسلسل پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ مطالعے میں تاریخ کی مشہور بے لطفی ایک حد تک محسوس نہ ہونے پائے۔ کاغذ کی نایابی کے باعث واقعات پر تفصیلی مؤرخانہ تنقید و تبصرے سے بھی احتراز کیا گیا ہے لیکن واقعات کی طرزِ ترتیب خود ناظرین کو اُسی نکتۂ خیال پر بہ آسانی پہنچا دے گی جس کو مورخ بیان کرنا چاہتا ہے۔

ہم اس کتاب سے بہ طورِ مثال چند اہم نتائج پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں، ان میں سے

(۱) ایک تو یہ کہ، ناصر جنگ کی شہادت نے اس مملکت پر فتنوں کا دروازہ کھول دیا۔

(۲) دوسرا آصفی تاریخ میں سب سے پہلا موقع تھا کہ اس سلطنت کے بعض ع

ننگِ آدم، ننگِ دیں، ننگِ وطن

غداری، خود غرضی اور قوم فروشی کا شکار ہوئے، یہی باعث ہوا کہ حکومت کو بہی خواہِ ملک و مالک عہدہ دار بہت کم میسر آئے، اور سلطنت ان حدود پر پہنچ گئی، جواب باقی ہیں (صانہا اللہ عن الشر و الفتن)

(۳۱) مرے ہوؤں کو بُرا بھلا کہنے کا یہ وقت نہیں، لیکن جب موجودہ اور آئندہ نسل کو اگلوں کے عیب و صواب سے آگاہ کرنا مقصود ہو تو اس حقیقت کے اظہار میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے کہ دولت آصفیہ کو ابتداءً دو آدمیوں کی وجہ سے نقصانِ عظیم پہنچا، ایک ان میں سے حسین دوست خاں (چندا صاحب) اور دوسرے محمد علی خاں والاجاہ ہیں، اور جنوبی ہند کی تاریخ میں جس طرح چندا صاحب کی ذات "رسوائے سر بازار" ہے، اسی قدر محمد علی خاں کی شخصیت بھی اس خصوص میں کافی نمایاں نظر آتی ہے۔ انھوں نے سیاست کے نشیب و فراز سے آنکھیں بند کرکے، جن امور کا ارتکاب کیا، وہ صرف اس "سلطنت ابد پیوند" ہی کے لیے مضر ثابت نہ ہوئے بلکہ ہند سے "اسلامی سلطنت" کے زوال کا باعث بن گئے۔ حضور نظام کے ماتحت ہونے کے باوجود (جس سے آگے چل کر اُنھوں نے انکار کرنا شروع کیا) جو علاقے ان کے اپنے نہ تھے اور بطورِ خود کسی کارروائی کے مجاز نہ تھے حاکمِ وقت سے منظوری لیے بغیر، اپنے اقتدار سے اپنے استحکام کے لیے جو کچھ کیا، اس کا کوئی اور نتیجہ نہ سہی، مگر یہ "مکافات" کیا کم ہے کہ خود اُن کے خاندان سے کرناٹک کی حکومت جس عبرت ناک طریقہ سے ختم ہوگئی، اُسے ارکاٹ کی تاریخ پر نظر رکھنے والے خوب جانتے ہیں۔ ان کے متعلق "تاریخ سلطنت خدا داد" (میسور) کے مؤلف کا یہ لکھنا حرف بحرف صحیح ہے کہ "نواب والاجاہ محمد علی خاں کا خیال تھا کہ چندا صاحب کو مٹا کر آپ خود ایک مستقل حکمراں بن جائے، اسی لیے اس نے حیدرآباد کے خلاف سازش کی اگر حیدر و ٹیپو میدان میں نہ آتے تو عجب نہ تھا کہ حیدرآباد مٹ جاتا۔"

ان "سوانح" میں، بیشتر واقعات ان ہی افراد کے گرد گھومتے ہیں، اور آپ دیکھیں گے، کہ اِن کی "شدید خود غرضی" کے مقتل پر، دکن و ہند کی قسمت قربان ہوگئی، اسی واسطے ان لوگوں کی زندگی بڑا درسِ عبرت رکھتی ہے۔

آخر پر مجھے امید ہے کہ کاغذی صورتِ حال کے مدنظر اس کتاب میں افراد و مقامات کے متعلق، جو "یادداشتیں" درج نہیں ہوسکی ہیں، اور اشاریہ کی عدم موجودگی کو گوارا فرمالیا جائے گا۔

اگر اس کاوش کو قبولیت نصیب ہوئی، اور خوش قسمتی سے ہمت افزائی کے اسباب مہیا ہوگئے تو صرف یہی کمی طبع ثانی میں دُور نہ ہوجائے گی، بلکہ "عہد آصف جاہی" کے اس سلسلہ کا پایۂ تکمیل تک پہنچ جانا کچھ مشکل نہیں۔ انشاء اللہ المستعان!

اختتام پر میں اس امر کے اظہار میں کوتاہی کو "احسان ناشناسی" تصور کرتا ہوں کہ یہ ساری محنتِ شاقہ اسی طرح دھری رہ جاتی، اگر میرے پُرجوش علم دوست، مخلص کرم فرما مولوی محمد رحیم خاں صاحب اس کی اشاعت میں، درمے، قدمے اور سخنے مدد نہ فرماتے اس کتاب کی افادیت کا شکریہ ان ہی کو ملنا چاہیے۔ ان کے انتہائے خلوص و محبت کے آگے، مَیں اپنے "دامنِ سپاس" کو کوتاہ ترپاتا ہوں۔

نیز محترم ڈاکٹر زور (مدظلہٗ) اور مولوی محمد غوث صاحب (ام۔اے) مُدیر مجلہ طیلسانینِ عثمانیہ کا شکرگزار ہوں کہ "نوابِ شہیدؒ" کی تصویر، اور ان کے فرمان کے بلاکس، مجھے ادارۂ ادبیات اُردو اور انجمن طیلسانین سے حاصل ہوسکے، جن سے کتاب کی رونق بڑھ گئی۔ استادی حضرتِ صفیؔ اورنگ آبادی (نراد قدرہٗ) نے بھی کافی مصروفیت اور مزاج درست نہ ہونے کے باوجود، ان اوراق کو ملاحظہ فرمایا موصوف کے علاوہ، اکثر اور احباب بھی ہیں، جن کا اس سلسلہ میں، مَیں کسی نہ کسی طرح ممنون رہوں گا۔ ۱۲

یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ
حریمِ شوکت
بیرون یاقوت پورہ۔ املی بن۔ حیدرآباد دکن

رہبر فاروقی

ناصر جنگ شہید کے عہد میں سلطنت آصفیہ
۱۱۶۱ ہجری سے ۱۱۶۴ تک
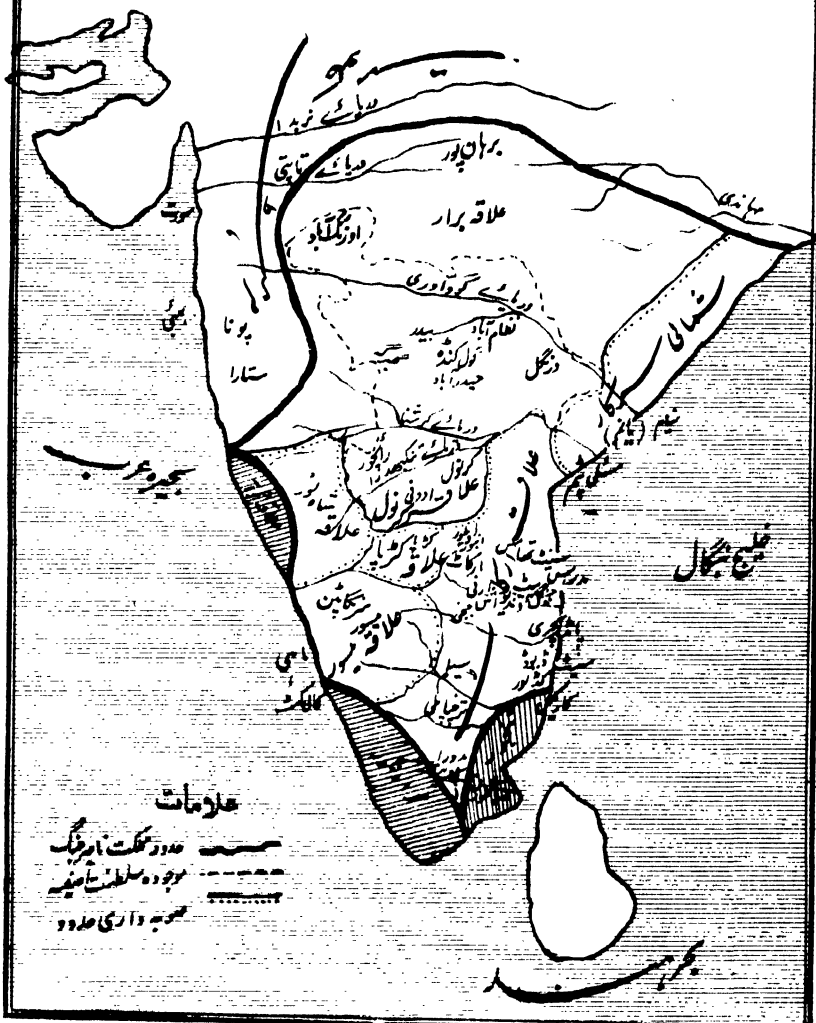
مغفرت مآب حضرت نظام الملک آصف جاہ اول ؒ

اور — نواب میر احمد خان نظام الدولہ ناصر جنگ شہید ؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا باب

لڑکپن سے تخت نشینی تک

ولادت و خطابات نواب ناصر جنگ کا اصلی نام میر احمد خاں تھا۔ جو اپنے نامور باپ (مغفرت مآب حضرت نظام الملک آصف جاہ اول کے دوسرے صاحبزادے تھے[1]۔ جلوسِ فرخ سیر کے ایک سال بعد ۱۸۔ محرم سنہ ۱۱۲۴ھ کو عرصۂ وجود میں قدم رکھا[2]

---

[1] سلسلۂ نسب یہ ہے:۔ میر احمد ولد میر قمر الدین بن شہاب الدین بن خواجہ عابد بن خواجہ اسماعیل (یا شیخ عالم) بن شیخ الہدیٰ شیخ عبد الرحیم بن عزیزان عالم بن شیخ محمد مومن بن محمد درویش بن شیخ جاوید ثانی بن شیخ فتح اللہ ثانی بن شیخ جاوید سرست بن شیخ نجیب الدین بن شیخ فتح اللہ بن شیخ تاج الدین بن شیخ علاء الدین بن شیخ زین الدین بن ابی محمد حفص بن حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی بن شیخ محمد بغدادی بن بہاء الدین بغدادی بن عبد اللہ بغدادی بن عبد الرزاق بغدادی بن عبد اللہ صوفی بن محمد سعید کشکی بن قاسم علی رومی بن نصیر الدین بصری بن محمد قاسم کشکی بن عبد اللہ بصری بن عبد الرحمن بن ابو القاسم مکی بن ابو محمد مکی بن محمد بن (عبد اللہ) حضرت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہ واضح رہے کہ خاندانِ آصفیہ کے اراکین کے ناموں کے ساتھ لفظ میر یا خواجہ کا استعمال ان کی حرمتِ نسبی نیز انکے اجدادِ کرام کے زہد و تورع کی بدولت استعمال ہوتا چلا آیا ہے۔

[2] عموماً معتبر تاریخوں میں ناصر جنگ کی تاریخ ولادت نہیں ملتی لیکن شجرۂ آصفیہ میں یہ سنہ لکھا ہے اور بستان آصفیہ جلد اول صفحہ ۱۲۴ پر بغیر حوالہ تاریخ بھی درج ہے۔

ان کی والدہ کا نام سیدالنساء بیگم تھا۔ جو میر عوض خاں ثانی (عضدالدولہ صوبہ دار اورنگ آباد) کی بیٹی تھیں[1]۔ سیادت و نجابت کیوجہ سے، حضرت آصف جاہ نے ان کا انتخاب کیا تھا میر محمد پناہ غازی الدین خاں فیروز جنگ ثانی بھی (ناصر جنگ کے حقیقی بڑے بھائی) ان ہی کے بطن سے تھے۔

۱۱۵۴ھ میں مغل تاجدار محمد شاہ نے "نادری فتنہ" فرو کرنے کے لیے جب نواب نظام الملک کو دکن سے دلی طلب کیا، تو ان کی دلجوئی کی خاطر میر احمد خاں کو خطاب ناصر جنگ سے سرفراز کیا۔ جب مغفرت مآب کے بعد خود انھوں نے عنان سلطنت ہاتھ میں لی، تو ۱۱۶۲ھ میں، احمد شاہ نے، صوبہ داری دکن کے فرمان استقلال کے ساتھ خطاب نظام الدولہ بھی مرحمت کرکے ان کو عزت بخشی[2]۔

تعلیم و تربیت | ناصر جنگ کی تعلیم و تربیت کا حضرت آصف جاہ نے خاص اہتمام فرمایا تھا، چنانچہ ان کے پیشکار دربار لالہ منسارام لکھتے ہیں کہ مجھے یہ حکم تھا کہ میں روزانہ اسباق کے متعلق ہفتے یا دو ہفتے میں، ایک بار کتابوں کا انتخاب کرکے ان کی خدمت میں گذرانا کروں، جب یہ انتخاب پیش ہوتا تو اولاً حضرت اس پر نہایت گہری نظر ڈال لیتے، اور اس کے بعد اُس کے درس کی اجازت عطا فرماتے تھے۔ چونکہ دکن میں ان کو اپنا جانشین بنانا مرکوزِ خاطر تھا، اس لیے اکثر خود بدولت نے بھی ان کی تعلیم و تدریس میں عملاً دلچسپی لی۔ جس کی بدولت ناصر جنگ بہت جلد مختلف علوم و فنون میں ماہر بن گئے۔ یہی وجہ ہے کہ نظام الملک کے تمام بیٹوں میں اُن کا ہم پلہ کوئی نہ تھا، اور نہ اُس صدی کے سلاطین آصفیہ میں اُن کے ایسے علم و فضل والا، دوسرا صاحب تخت و تاج پیدا ہوا۔ فارسی زبان کے ایک

---

[1] حدیقۃ العالم مقالۂ دوم صفحہ ۱۵۱ پر ناصر جنگ کی والدہ کے متعلق جو لکھا ہے کہ وہ گلبرگہ کے کسی مشائخ کی بیٹی تھیں غلط ہے، دوسری معتبر تاریخوں سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ ۱۲

[2] تذکرہ مراۃ الصفا قلمی صفحہ ۱۶۱ اور تاریخ راحت افزا قلمی صفحہ ۵۲ پر لکھا ہے کہ (احمد شاہ نے نہیں بلکہ) محمد شاہ نے نظام الدولہ کا خطاب دیا۔

اچھے شاعر بھی تھے، ناصرؔ تخلص اختیار کیا تھا، بعض تذکروں میں اردو شعر بھی ملتے ہیں، کبت بھی کہا کرتے تھے، اور سنسکرت زبان میں بھی مہارت بہم پہنچائی تھی[1] (ان کی شاعری پر ہم آخر کتاب میں روشنی ڈالیں گے)۔

تعلیم کے بعد، ان کی تربیت سے متعلق بھی بطور نمونہ ایک آدھ واقعہ کا اظہار مناسب معلوم ہوتا ہے، تاکہ ان کی زندگی کے آئندہ حالات کو صحیح طور پر سمجھا جا سکے، جو لڑکپن کی اس دیباچۂ زندگی کا، مَتن ہوتے ہیں۔

ایک تاریخ نے ۱۱۴۶ھ کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ مغفرت مآب کو "کھڑکی دار دستار" نہایت ناپسندِ مزاج تھی، لیکن ناصر جنگ اسی کے دل دادہ تھے[2]، دو ایک دفعہ دیکھ کر ممانعت فرمائی لیکن جب تہدید کے باوجود شہزادے کو اسی رنگ میں دیکھا، تو تنبیہ کے خیال سے حکم دیا کہ ناصر جنگ کو ہمارے پاس سے جُدا کر کے، ان کی والدہ کے پاس قلعہ گولکنڈہ روانہ کر دیا جائے (جو پہلے ہی سے دوسری بیگموں کے ساتھ وہاں رہا کرتی تھیں) اور اس کے ساتھ ساتھ یہاں کے قلعہ دار عطا یار خاں کو یہ حکم بھیجا کہ اس امر کی کافی نگرانی کی جائے کہ میر احمدؔ (ناصر جنگ) سے سوائے محمد ثنا، مولوی محمد[3] خاں، اور شعور خاں ناظر کے،

---

[1] چمنستانِ شعراء، لچھمی نارائن شفیق (مطبوعہ) ص ۳۱۴

[2] لیکن اس کے خلاف، لالہ منسارام نے رسالہ دربار آصفیہ میں لکھا ہے کہ "کھڑکی دستار" کی مغفرت مآب بڑی عزت فرماتے تھے، اور خود ناصر جنگ اس طرز کی دستار بڑی اچھی باندھتے، اکثر چھینٹ کا لباس ان کے مرغوب مزاج تھا۔ ایک روز ان کو آصف جاہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے دیر لگ گئی تو حضرت نے وجہ تاخیر دریافت کی، جواب میں عرض کرنے لگے کہ میں نے جب ایک مرتبہ دستار باندھی تو درست معلوم نہ ہوئی، پھر کر باندھی اس لیے تاخیر ہو گئی۔ یہ سن کر فرمایا کہ لباس کی زینت و آرائش میں مرد کو اسقدر انہماک نہ چاہیئے کیونکہ ایسا شخص دنیا میں نکما اور ناکارہ ہو جاتا ہے اسی روز سے ناصر جنگ نے دستار کو پیچ و بندش کے لحاظ سے تین حصوں میں منقسم کیا، اور دستار بند کو اس کی ہدایت کی کہ اگر کسی وقت ایک پیچ بھی سر پر زیادہ ہو جائے تو فوراً اس کو کاٹ ڈالے۔ نواب شہید کو اکثر زین آبادی دستار پسند تھی اور حضرت آصف جاہ کی خدمت میں کبھی کچھے رنگ کی دستار پہن کر نہیں آتے تھے۔

کوئی اور نہ ملا کرے۔ یوسف محمد خاں مؤلف تاریخ فتحیہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ "میں ان دنوں خدمت واقعہ نگاری پر مامور تھا، اور قلعۂ گول گنڈہ کے موجودات و کارخانہ جات کو ضبطِ تحریر میں لانے کے لیے جا رہا تھا، چلتے وقت میں نے نواب نظام الملک سے یہاں پہنچ کر شہزادے کو سلام کرنے کی اجازت حاصل کی تھی۔ چنانچہ جب پہنچا تو ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ جب کچھ دنوں بعد آصف جاہ بہادر اورنگ آباد سے حیدرآباد آئے تو ناصر جنگ کی ماں نے بیٹے کا قصور معاف کرایا۔ اس کے بعد ان کو برار میں پرگنۂ اوٹمور، دکوال وغیرہ کی ایک جاگیر دی گئی، اور حکم ملا کہ وہاں جا کر مفسدوں کی سرکوبی کریں[1]۔

شادی اور اولاد جب ان کی اکیس برس کی عمر ہوئی تو ۱۱۴۵ھ میں نواب مغفرت مآب نے انہیں وجیہ النساء بیگم (یا نواب بیگم[2]) کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک فرما دیا، جو دربار دہلی کے ایک امیر روشن الدولہ طرہ باز خاں ظفر جنگ کی لڑکی تھیں۔ شادی کی تفصیلات میں لکھا ہے کہ دلہن ظہیر الدولہ کی بیوی فاطمہ بیگم (آصف جاہ کی پھوپھی) کے ہمراہ دہلی سے دکن آئی روشن الدولہ نے عطا علی خاں کشمیری (داروغۂ اسلحہ خانۂ شاہی) کو ایک امیرانہ ٹھاٹ کا جہیز دے کر روانہ کیا، اور نواب نظام الملک نے دلہن کے استقبال کے لیے محتشم خاں بخشی اور بدیع الزماں خاں کو بھیجا۔ حفیظ الدین اور ابوالخیر خاں نے برہان پور سے اور خواجم قلی خاں نے مقام کھرگون سے پیشوائی کی، اس طرح دلہن شان شوکت کے ساتھ اورنگ آباد میں داخل ہوئی[3]۔ تاریخ مظفری کے مؤلف نے اس تقریب کی نسبت لکھا ہے کہ :۔

"دریں جشن شصت لک روپیہ پدر، از خزانہ خود خرچ نمود۔ نفس الامر در امرائے توران تا ایں زمان شادی چنیں نہ شد، بلکہ حرف بر ملوک آں جاست[4]۔"

---

[1] تاریخ فتحیہ قلمی ص ۴۲

[2] تذکرۂ مرأۃ الصفا جلد دوم قلمی ص ۵۲ ، ۵۳

[3] تاریخ یادگار لکھمن لال مطبوعہ ص ۹

[4] تاریخ مظفری قلمی ص ۹۴

وجیہ النساء بیگم (یا نواب بیگم) کے بطن سے ناصر جنگ کو کوئی اولاد نہ ہوئی، لیکن بعض مورخین نے لکھا ہے کہ ایک لڑکی ہوئی تھی جس کا عقد قمرالدولہ سے ہوا تھا۔ نیز نواب صاحب کے ایک قلمی دیوان سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں ۱۱۵۸ھ میں ایک لڑکا بھی ہوا تھا، جس کا نام "خواجہ نصیرالدین محمود" تھا، ممکن ہے کہ یہ صغر سنی میں انتقال کر گیا ہو۔[1] البتہ یہ مسلم ہے کہ دیگر

---

[1] دیوانِ ناصر جنگ قلمی ص۱۵۴ ۔ اس دیوان کے سوا، ان کے کسی لڑکے کا نام، اور اس کی ولادت کے متعلق کسی تاریخ سے کوئی مواد نہیں ملتا۔ دیوان میں اس موقع کی نسبت کسی نامعلوم شاعر کے جو اشعار درج ہیں، ان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، جس کے کچھ منتخب اشعار یہاں درج ہیں۔ پیشِ نظر مخطوطہ ان ہی کی زندگی کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے، اور نہایت اہمیت رکھتا ہے، اس کے متعلق ہم نے تفصیلی معلومات ان کی شاعری کے ضمن میں آگے بیان کیے ہیں۔

زصلب پاک نواب مجد — قوامِ دولت و دیں میر احمد
نظام الدولہ ناصر جنگ غازی — بہ فرمائش بود، ترکی و تازی
بہ باجی راو، دادہ گوشمالی

بہ تاریخ سعید و بختِ فیروز — عطا گردید، فرزندِ دل افروز
ز اصلابِ بزرگان عظیم است — کریمؑ ابن الکریم ابن الکریم است
چہ نعمت ہائے گوناگوں بہم شد

مغنی، نغمۂ عشاق، خواندہ — دہانِ اہلِ حیرت باز ماندہ
زیک سو، لعبتِ ہندی چمن پوش — چو طاؤ ساں، ردائے سبز بر دوش
ز دیگر سو بتانِ سرخ ساری

مزین کردہ، دورش را، کناری

نمودم فکر در تحریرِ سالش — رواں گشتم بہ سیلابِ خیالش
بگوشِ ہوشِ من، آواز دادند — ازا نم سرِ ایں معنی کشادند
بگو تاریخ آں مولودِ مسعود — بود "خواجہ نصیرالدین محمود"
۱۱۵۸

محلات سے دو لڑکیاں تھیں، ایک کا نام فرحت بیگم تھا، جو ظہیر الدولہ عبد الہادی خاں قسورہ جنگ (عوض خاں ثانی صوبہ دار اورنگ آباد کے دوسرے لڑکے) کے ساتھ بیاہی گئی تھی۔ یہ لڑکی لاولد مر گئی۔ دوسری سید النساء بیگم عرف حاجی بیگم تھی۔ جس کا عقد قطب الامراء میر محمود خاں منصورؔ جنگ کے ساتھ کیا گیا تھا۔ پھر اس کو دو لڑکیاں ہوئیں ایک امامی بیگم، اور دوسری وزیر النساء بیگم سے موسوم تھی۔ پہلی نامزد آور جنگ پسر ہمایوں جاہ سے منسوب ہوئی، اور دوسری کی شادی نظامت جنگ عرف "گل بادشاہ" سے کر دی گئی۔ اس کو صرف ایک لڑکا ہوا تھا۔[1]

نیابت دکن اور اپنے والد آصف جاہ سے بغاوت اس عرض مدت میں آصف جاہ نے ناصر جنگ کو ملکی مہمات کا کافی اہل بنا دیا تھا، تاکہ وہ ان کے بعد ان کی سلطنت سنبھال سکیں، اور ادھر دار الخلافہ دہلی میں بادشاہ کے حضور ان کے بڑے بھائی حافظ میر محمد پناہ (امیر الامراء غازی الدین خاں فیروز جنگ ثانی) اپنے والد ماجد کی جانب سے، خدمات نیابت ادا کر رہے تھے، اور خود نواب نظام الملک بہ اطمینان تمام دکن کے نظم و نسق کے انصرام میں مصروف رہے۔ جب ۱۱۵۱ھ میں محمد شاہ نے نادری فتنہ فرو کرنے کے لیے ان کو دار السلطنت طلب کیا، تو نواب صاحب نے ناصر جنگ کو

---

[1] یہ بادشاہ بیگم دختر آصف جاہ کا لڑکا تھا، اور بادشاہ بیگم ناصر جنگ کی حقیقی بہن تھیں، جو خواجہ باباخاں بخاری سے بیاہی گئی تھیں۔ منصور جنگ بخشی گری رسالہ سایر و تعلقہ نلگنڈہ و دیول کنڈہ (یا دیور کنڈہ) پر نواب نظام علی خاں کے دور میں مامور تھے، انہیں جاگیر میں نند گاؤں وغیرہ عطا ہوئے تھے۔

[2] اسی سلسلہ کو مؤلف تاریخ یادگار لچھمن لال نے اس طرح بیان کیا ہے:۔ ناصر جنگ کو تین لڑکیاں تھیں۔ (الف) پہلی حاجی بیگم منسوبہ منصور جنگ ولد خواجہ باباخاں، اور اس لڑکی کو خود دو لڑکیاں ہوئیں ایک کا نام وزیر النساء تھا، جو کہ نظامت جنگ خویش برادر خانان بلخ سے منسوب تھی، اور پھر اسی وزیر النساء کو ایک لڑکا اور ایک لڑکی موسومہ بیگم بادشاہ متولد ہوئے، مؤلف کہتا ہے:۔ (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

اپنا "نائب السلطنۃ" مقرر کرکے، دلی کی راہ لی۔ اس چھبیس سالہ نوجوان نے اپنی قابلیت سے امور ریاست کی انجام دہی میں، بیدار مغزی کا ثبوت تو ضرور دیا، اور پدر بزرگوار کے غیاب میں، حکومت کے نظم و ضبط کو قائم رکھنے کی اچھی کوششیں تو کیں لیکن سن و سال کے اقتضاء سے، اور کچھ ان کی نرم دلی کے باعث دربار کے بعض فتنہ پردازوں نے اُن کے مزاج میں، اس حد تک دخل پا لیا کہ نیک نفس و ناتجربہ کار شہزادے کو باپ کے خلاف ہنگامہ آرا ہونے کے لیے اُبھارا۔ اس وقت ناصر جنگ کے دیوان، عبدالرزاق صمصام الدولہ شاہ نواز خاں تھے اور اتالیقی میں خواجہ عبداللہ خاں تھا۔ مالی معاملات انوار اللہ خاں کے سپرد تھے، جس نے بعد میں، حسنِ تدبیر سے ان کی بغاوت کو دیکھ کر ان سے علیحدگی اختیار کر لی اور گول کنڈہ چلا آیا۔

مغویوں کی چال بازیوں کی بنا پر آصف جاہ کی قریباً تین سالہ غیر حاضری کے زمانے میں ناصر جنگ سے بہت کچھ نامناسب حرکات سرزد ہوتی رہیں۔ چنانچہ انھوں نے جمال خاں پسر عوض خاں عضد الدولہ کو دوبارہ خطاب قسورہ جنگ عطا کیا، جس کو کسی غلطی کی پاداش میں آصف جاہ نے چھین لیا تھا۔ فرید براں اس کو دس لاکھ روپے بھی خزانۂ شاہی سے اس عنوان کے تحت دے دیے کہ وہ فوج کی تنظیم، اور اس کے ساز و سامان کی فراہمی میں صرف کرے۔ عبدالعزیز خاں (ابن عبدالرسول خاں) فوج دار جنیر، ہمت خاں تعلقدار جالنہ اور متہور خاں خویشگی کو اپنے دربار میں طلب کرکے مقرب بنایا۔ اور بعضوں کو اپنے والد ماجد کی اجازت کے بغیر فراخ دلی کے ساتھ جاگیریں دینی شروع کیں، اکثر و بیشتر

(بقیہ صفحہ گذشتہ) "یک پسر و یک دختر بیگم بادشاہ از بطن وزیر النساء بیگم زندہ است و بیگم مذکور فوت کرد۔"

(ب) ناصر جنگ کی دوسری لڑکی کا نام، امانی بیگم لکھا ہے، اور کہتا ہے کہ یہ نام آور جنگ فرزند مغل علی خاں سے منسوب تھی، لاولد مر گئی۔

(ج) تیسری لڑکی فرحت بیگم تھی، جو عبدالہادی خاں قسورہ جنگ لد عوض خاں ثانی سے بیاہی گئی تھی۔

قدیم وخیر خواہ عہدہ داروں کا عزل ونصب کیا، چنانچہ سب سے بدتر سلوک انھوں نے اپنے ماموں زاد بھائی، طالب محی الدین خاں کے ساتھ کیا، جو سعد اللہ خاں (وزیر اعظم شاہ جہاں بادشاہ) کے پوتے اور متوسل خاں (مظفر جنگ کے والد) کے بھائی تھے، جنھیں آصف جاہ نے ادھونی کی فوجداری پر مامور کر رکھا تھا۔ ناصر جنگ نے اُن سے اُن کے اپنے علاقہ کے حساب وکتاب کی نسبت عزیز داری کا لحاظ کیے بغیر، اس قدر سخت بازپرس کی کہ چند الزامات عائد کرکے ماخوذ ہی کرلیا۔ اِس بے حرمتی اور بے مروتی کو دیکھ کر طالب محی الدین خاں، پاسِ عزت و فرطِ الم سے زہر کھاکر مر گئے[1] اور ان کی جگہ، ناصر جنگ نے اپنے حقیقی ماموں، ہمت جنگ کو مامور کردیا[2]۔

اِس سانحہ کی تصدیق، اُن کے ایک فرمان سے بھی ہوتی ہے، جو اسی دَورِ نیابت میں، انورالدین خاں سے قبل کے حاکم کرناٹک، صفدر علی خاں، کے نام بھیجا گیا تھا۔ یہ فرمان اس عہد کی یادگار ہونے کی وجہ سے، اور چونکہ بعض امور پر بھی روشنی پڑتی ہے، اس لیے یہاں اس کا اقتباس درج ہے۔

> شہامت دستگاہ صفدر علی خاں، مشمول عواطفِ پادشاہی باشند خط
> مرسل رسید، .... سابق سمت رقم پذیرفت کہ
> عزم ایں طرف ازخجستہ بنیاد، محض ہمیں بود کہ اشقیاء روئے ادبار
> بہ سمتِ حیدرآباد و محمدآباد گزاشتہ درمومن آباد کہ مسکنِ مالوف
> بسالت مرتبت راجہ چندر سین است محاصرہ دارند تنبیہ گروہِ
> گمراہ ضروراست چنانچہ بہ مہابت ....

---

[1] مرآۃ الصفا (قلمی)، ص۴۷۳

[2] بعض تاریخوں میں ہمت خاں لکھا ہے، لیکن شجرۂ آصفیہ میں ناصر جنگ کے دو ماموں کے نام ملتے ہیں ایک عبدالرشید خاں اور دوسرے عبدالشہید خاں، اور ان میں سے ہر ایک کا ہمت جنگ بھی خطاب لکھا ہے۔

موکب اسلام دست از محاصرۂ مومن آباد برداشتہ براہِ گدوال والپور شدہ رائچور را خالی دانستہ عجزۂ سکنۂ قصبہ را قتل نمودہ، مورچال بر قلعۂ زدہ نقب تا بہ خندق رسانیدہ بودند کہ بہ دریافت قرب وصولِ عساکرِ ظفر شمول......

.... رخت شنفاوت بہ محال کڑپہ کشیدند۔ چوں دانستند کہ مجاہدانِ اسلام پاشنہ کوب می رسند، درآں جا فرصت نہ یافتہ، لنگر ثبات از سفینۂ طاقت برگرفتند، ازاں جا کہ برعبد الغنی (النبی) خاں کہ جمعیت کم داشت وشہر کڑپہ بے در و دیوار بود، بہ سبب آمد آمدِ عساکر اقبال نہ توانستند دست یافت۔

دعلی دوست خاں خود ملک وسیع آباد وجمعیت شائستہ دارند، علاوۂ آں موسمِ برشکال قریب شدہ، فرصت نماندہ وگمان نمی شد کہ اشقیا آوارۂ ارکاٹ شوند۔ چند مقام برکالور سنگم اتفاق افتاد۔ دریں ضمن معلوم شد کہ از مقدرات، فوج متفرق فراہم نیامدہ، باضطراب جنگ رو داد، و اعلیٰ رتبۂ شہادت نصیب خانِ مذکور شد۔ ازاں جا کہ ارادت وعقیدتِ موروثی داشتند، باعثِ تاسف گشتہ محض برائے اعانتِ آں شہامت دستگاہ، وصیانتِ جمہورِ خلائق ....

.... از مقام "کالور سنگم" .... عزیمت بہ عمل آمد۔

چوں واقعۂ "طالب محی الدین خاں بہادر" درمیان آمدہ بود، و مردم سہ بندی، براہلیہ وپسرِ متوفیٰ ہنگامہ نمودند، درمقدمہ قلعۂ اتیاز گڈہ استادگی داشتند۔ لاچار سہ روز اتفاقِ مقام افتاد کہ مہمل گذاشتن مناسب نہ بود۔ الحمد للہ کہ قلعہ مذکور از خود مفوض

ومنصوب شد ۔ عزم بالجزم بود کہ روزِ دیگر بہ آں صوب بہ عزمِ امداد .... بہ سرعتِ سریعہ نہضت شود ۔ کہ جواسیسِ سرکار متواتر خبر آوردند .... حملہ برگشتہ بختاں، نہ توانستند رخت توقف انداخت، و بہ خراب گاہِ خود رجعت کردند، وکار بہ صلح کشید، ....

ازاں جا کہ ہمگی نیتِ صافی طویت، مصروف بہ دفع فسادِ آں سرزمین، وعون وصونِ آں شہامت دستگاہ وعمومِ خلایق بود لیکن بہ خاطر رسید کہ صدمۂ عظیم بہ آں ملک از فرقۂ واجب التفرقہ رسیدہ است اگر عبور و مرورِ عساکر نصرت ماثر شود، رعایائے رمیدہ خاطر را مبادا مضرت نہ رسد، ومقصود از کوتاہ ساختنِ دستِ تیرہ روزاں آں بود کہ آوارۂ تیہ ناکامی گشتند ۔ ہرچند کہ صورتِ عزمِ میمنت جزم از زمین دارانِ سری رنگ پٹن و پالی گراں وغیرہ وغیرہ فوائد کلی متصور بود ۔ لیکن ایں مقدمات را موقوف بر وقت داشتہ، برائے ایں کہ آبِ دریا نیز تلاطم وطغیانی آغاز نہادہ عطفِ عنان مصلحت شد ....

درکارخانہ یگانہ وبیگانہ اتفاق ورزیدہ، در برسات از قرار واقع بہ بست وتسلی قلوب وحشت زدۂ رعایا، وترتیب فوج، واستعدادِ سپاہ، وتہیۂ توپ خانہ وتیاری آلاتِ آتش بازی پرداختہ، باعزیز القدر سمو المکان ہمت بہادر خان کہ بنیابت صوبہ داری و دیوانی بیجاپور و فوج داری وقلعہ داری امتیاز گڈہ عرف ادھونی وفیروز نگر عرف رائچور وغیرہ کمال استقلال بافوجِ شایانہ وآتش بازی نمایاں است، تعین یافتہ اند، متحدو ہم داستان باشند، وقبل از انفصالِ برسات در قریبِ زمانِ فروشدنِ آبِ دریاہا، با خانِ عزیز القدر، کنارہ کشنا، رحل اقامت افگندہ منتظر باشند کہ از شیوۂ این روئے

دادِ ناملائم علی دوست خاں خاطر، اقصیٰ غایت ناخوش شدہ، وعرقِ عزتِ دین، بہ حرکت آمد تا بہ عونِ عنایتِ معین مستعان، تدارکِ شہادت علی دوست خاں وانتقامِ خون مومنان، از زمرۂ ضلالت کیشاں کشیدہ شود۔ .... باید کہ بے توقف بہ جیوشِ اقبال ملحق شوند کہ جزائے اعمال نکوہیدہ برسانیدہ آید، ونتیجۂ تلافی وتدارک .... عقیدت اشتمال گردد، ودریں باب تاکید وقدغنِ بلیغ دانستہ سامی وجازم باید شد کہ اصلاً ومطلقاً ہیچ تساہل راہ نہ یابد وبہ عبدالنبی خاں وطاہر محمد خاں وعبدالمجید خاں وبہادر خاں نیز تاکیدات رفتہ کہ قبل از انقضائے برسات بہ اتفاق خانِ عزیز القدر بہ موکبِ منصور برسند[1]"

اسی زمانہ میں ناصر جنگ مظفر جنگ کی نسبت بھی کوئی تدارک کی فکر میں تھے، جس کا پتہ شاہ نواز خاں کے ایک خط سے چلتا ہے، لیکن خان مذکور نے اس موقع پر ان کو جس سیاسانہ رنگ میں منفیتہ کیا ہے، وہ عجیب پیچیدہ ہے، ان کے اصل الفاظ پڑھنے کے قابل ہیں :-

ازیں پیغام ہا تیامل (شاید یہ کوئی نام ہے) معلوم می شود کہ گذاشتنِ حضرت مرکوزِ خاطر بندگان عالی (مراد آصف جاہ) نہ بود۔ بہ پاسِ خاطرِ شریف صلاے سمرقندی زدہ اند۔ والا بہتری دانند کہ ہرگاہ مظفر جنگ را بہ ہیئتِ گدائی بگذارند مزاج مبارک چہ قسم متحمل نوعِ دیگر توانند شد۔ ویا سفر تنہائی مصمم جنابِ عالی

[1] مجموعہ مکاتیب ٹیپو سلطان ونظام علی خان وحاکمانِ کرنول ودیگر سردارانِ دکن ورق ۳۸، ۳۹۔ محبی مولوی شیخ محمد بکران صاحب کا میں شکرگزار ہوں کہ انھوں نے اپنا یہ نادر مجموعہ مجھے استفادہ کی خاطر مرحمت فرمایا۔

نیست در ہر صورت، اِباقرینِ مصلحت بودہ۔ واحیاناً اگر ماندنِ
حضرت، دل خواہِ "جنابِ عالی" خواہد بود لابد حسبِ تمنائے حضرت
می گذارند۔ ایں امر زیادہ بریں غورے ندارد، لہٰذا بعرض آں جرأت
نمودہ۔ اقبال روز افزوں باد[1]"۔

ناصر جنگ کے ان باغیانہ جذبات کی آگ کو ہَوا دینے والے جو اہم اسباب ہوئے وہ یہ تھے کہ ایک طویل عرصہ سے اُدھر شاہ جہاں آباد میں "مغفرت مآب" مغلیہ سلطنت کی گتھیاں سلجھانے اور نادر شاہی ہنگامے کے فرو کرنے کے لیے جاں ہار کوششیں فرما رہے تھے، اور اِدھر ناصر جنگ کے قبضۂ قدرت میں حکومت کی ساری فوج اور ایک کثیر خزانہ موجود تھا، اس لیے انھوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور علی الاعلان اپنے مدبر و تجربہ کار باپ کے مقابلہ میں بغاوت شروع کر دی، اپنی بادشاہت کے منصوبے باندھے، اور انھیں رُوبہ عمل لانے کے لیے تدبیریں بنائیں۔ چنانچہ ان ہی ارادوں کو لیے ہوئے اورنگ آباد سے نکل کر سیدھے حیدرآباد آئے، اور ناعاقبت اندیش مقربین کے زیرِ اثر اپنے باغیانہ حکم و احکام کے اجراء و نفاذ کا آغاز کیا۔ یہاں جو کچھ گذرتا تھا، مِن وعَن ان واقعات کی تفصیلی اطلاعیں آصف جاہ کے چچا نصیر الدولہ (میر عبدالرحیم خاں) جو ان دنوں صوبہ دار برہان پور تھے، ان کے پاس دلی بھیجتے رہے۔

ناصر جنگ کی بغاوت کے زمانہ میں اُن پر باجی راؤ مرہٹہ کی فوج کشی۔ نادر شاہ کے حملے اور مغلیہ سلطنت کے بُرے دنوں سے جہاں اَوروں نے

---

[1] مکتوبات شاہ نواز خاں قلمی (مصحوبہ دیگر کتب قلمی) صفحہ ۳۱۸ اس خط کا عنوان لکھا ہے۔
"عرضداشت بہ نواب ناصر جنگ شہید، وقتے کہ پدر ایشاں را، در دکن می گذاشتند، وا با نمودند۔

فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، وہاں مرہٹوں نے بھی اپنے اطراف وجوانب میں شور وفساد برپا کردیا۔ آصف جاہ کی عدم موجودگی، اور ایک بہت ہی کم عمر ناتجربہ کار شہزادے کو زمام سلطنت سنبھالے ہوئے دیکھ کر، ان لوگوں نے دکن کا میدان صاف سمجھا، اور مغفرت مآب کی دی ہوئی جاگیریں ضبط کرکے ان میں لوٹ مار شروع کردی۔ اس صورتِ حال کے باعث ابتداءً ناصر جنگ نے نقش بند خاں کو اپنا ایلچی بنا کے باجی راؤ کے پاس بھیجا، اور بڑے حسن تدبیر کے ساتھ اس سے دوستانہ تعلقات قائم کرلیے۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ پیشوا نے ضبط کردہ جاگیروں سے کنارہ کشی اختیار کرلی، قریبًا دوسال تک ان تعلقات کی بدولت ملک ان کی دست بُرد سے محفوظ رہا۔ لیکن ۱۱۵۲ھ میں پھر اُس کے حرص سمائی اور نیت بدل گئی۔ دولت آصفیہ پر قبضہ جمانے کی خاطر، پچاس ہزار کی ایک جرار فوج کے ساتھ، اورنگ آباد کے جنوب میں آکر اپنے ڈیرے ڈالے۔ ناصر جنگ نے اس وقت راست مقابلہ کی بجائے دارالامارۃ پُونا، کو خالی پاکے، اُس کی تاخت کا ارادہ کیا، تاکہ غنیم اپنے گھر کی تباہی کے ڈر سے حواس باختہ ہوجائے، لیکن سُورِ اتفاق کہ اثنار راہ میں، ۲۸ شوال ۱۱۵۲ھ کو دونوں کے لشکر ایک دوسرے سے متصادم ہوگئے، اور جانبین میں گھمسان کا رن پڑا جس کا سلسلہ عید قربان تک جاری رہا، مگر مرہٹے جو قزاقانہ جنگ کے خوگر اور پہاڑیوں کے نشیب وفراز میں چھپ چھپ کر حملے کرنے کے عادی تھے، پچاس ہزار سپاہ کے باوجود، حریف کے آگے نہ ٹک سکے، اور انہیں اپنی تلوار ڈال دینی پڑی۔ حالانکہ ناصر جنگ صرف دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ میدان میں آئے تھے۔ پے در پے ہزیمت اٹھانے کے بعد، باجی راؤ نے صلح کے لیے سلسلہ جنبانی کی۔ عہد نامہ کی تکمیل کے بعد، خود شہزادے کی بارگاہ میں حاضر ہوا...... پیمان مودت سے انحراف کرکے، مقابلہ کرنے کے باوجود، انھوں نے دشمن کے ساتھ بہترین سلوک کو روا رکھا، اور اس درجہ لطف وکرم کیا کہ اپنی سرکار سے

اُسے سرکار رکھرگوں اور ہانڈیہ بطور جاگیر مرحمت کر دیئے، جس کے بعد یہ مالوہ چلا گیا۔ صاحب مرأة الصفا کا بیان ہے کہ آصف جاہ نے دلی سے (یہ خبر سُن کر) سید لشکر خاں کو بھیجا تھا، اور انھوں نے آکر باجی راؤ اور ناصر جنگ میں صلح کرائی تھی۔[1]

دکن کی تاریخیں استعجاب کے ساتھ لکھتی ہیں کہ، باجی راؤ پر اس اعلیٰ حسنِ سلوک اور کچھ اپنی شکست کا اس قدر اثر ہوا کہ، اس واقعہ کے سبب، اس کے مہینہ بھر بعد ہی ۱۲، محرم ۱۱۵۳ھ کو دریائے نربدا کے کنارے اس کی زندگی کا سفینہ، ساحل عدم سے جا لگا۔[2]

سید لشکر خاں کو بھیجنے کے بعد، خود حضرت نظام الملک بادشاہ سے اجازت حاصل کرکے ناصر جنگ کی مدد کے لیے دلی سے نکلے، اور پے در پے کوچ کرتے ہوئے آرہے تھے کہ راہ میں، دونوں کی مصالحت کی خبریں ملیں، تو پھر شاہ جہاں آباد کی طرف مراجعت فرمائی۔ محمد شاہ کو جب ناصر جنگ ایسے کم سن نوجوان کی اس دلیرانہ مقاومت کی اطلاع ملی، تو بہت خوش ہوا، اور اطلاعی اخبار پر لکھا کہ :-

"قابلِ تحسین ہے ایسا باپ، جس سے ایسی جرأت والا بیٹا وجود میں آئے"۔

اور خود آصف جاہ کو دربار میں بلا کر مبارک باد دی۔ مرہٹوں پر ناصر جنگ کی اس کامیابی کی شہرت سارے ہندوستان میں پھیل گئی اور بالاتفاق جمیع مورخین ہند نے اس کو ان کا غیر معمولی کارنامہ تصور کیا ہے۔

ساتھ دینے والوں کی بے وفائی سے بحالت بغاوت ناصر جنگ کی گوشہ نشینی

لیکن جب آصف جاہ کو دلی میں ہر روز ناصر جنگ کے تمرد، اور

---

[1] مرأة الصفا جلد دوم قلمی ص ۲۷۲

[2] تاریخ مظفری (قلمی) ص ۱۹۹ پر دوازدہم صفر لکھا ہے اور بساط الغنائم (قلمی) ص ۱۲۴ پر صرف سنہ لکھا ہے ۱۲

ان کے رنگ ڈھنگ سے معاملات حکومت کی ابتری کی خبریں ملنے لگیں، تو انہوں نے مزید تعویق کو مناسب نہ سمجھا' اور دربارِ شاہی میں پہنچ کر' بادشاہ سے دکن جانے کی درخواست کی۔ محمد شاہ نے اجازت دیتے ہوئے' فرطِ عنایت سے اپنی دستار ان کے سر پر رکھ دی۔ آصف جاہ اکبر آباد اور راجپوتانے کے رستے' عین موسم بارش میں نکل پڑے' کوچ کرتے ہوئے' جب مالوہ پہنچے' تو یہاں یار محمد خاں پسر دوست محمد خاں فرمانروائے بھوپال نے ان کا استقبال کیا' حضرت نے خوش ہو کر انہیں ماہی مراتب بخشے (جو آج تک بھوپال کے عجائب خانہ میں محفوظ ہیں)۔

الغرض دریائے نربدا کو عبور کر کے سلخ شعبان ۱۱۵۳ھ کو برہان پور میں منزل کی اور دو ماہ تک یہیں قیام کیا' اور اس عرصِ مدت میں ناصر جنگ کو نصیحت و مہربانی کے ساتھ بغاوت سے باز رکھنے کی سعی کی' مگر غدار حاشیہ نشینوں نے نہ معلوم کن کن پہلوؤں سے اُن پر اُن کے شفیق باپ کے نصائح کا اثر مترتب نہ ہونے دیا۔ بڑا افسوس ہوتا ہے' اور اس واقعہ سے قطعاً انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ناصر جنگ نے اس وقت اپنے عزیز باپ کے پدرانہ مراتب کا کوئی لحاظ نہ رکھا' بلکہ بڑی بے باکی سے کام لیا' چنانچہ متہور خاں خویشگی' صف شکن خاں مجاہد جنگ' پیرزادہ میر علی اکبر اور حکیم عبدالحسین خاں کے ذریعے (جو پہلے آصف جاہ کا خانِ ساماں تھا) ایک گستاخانہ پیام بھیجا' جس کا مقصد یہ تھا کہ :۔

"اس پیرانہ سالی میں آپ سے سلطنت کے معاملات' اور جنگ و جدل کی صعوبتیں برداشت نہ ہو سکیں گی' اس لیے حکومت میرے حوالے فرما کے' خود سبکدوشی اختیار فرمائیں تو مناسب ہوگا۔"

آصف جاہ نے اس موقع پر بڑے ہی صبر و ضبط سے کام لیا۔ اور حکم بھیجا کہ "ہم تمہیں بیجاپور کی صوبہ داری سرفراز کرتے ہیں' وہاں جا کر انتظام کرو' اور اپنے

ارادوں سے باز آجاؤ۔" لیکن ناصر جنگ نے قبول نہ کیا۔ قریب سے واقعات کا مطالعہ کرنے والے مؤرخین لکھتے ہیں کہ وہ یقین کے ساتھ یہ سمجھتے رہے کہ "نادرشاہ کے معرکے، دُور دراز سفر کی تکان، اور دوسرے حملوں کی مدافعت کرتے کرتے آصف جاہ کے مزاج میں اضمحلال پیدا ہو گیا ہے" اس لیے اطاعت نہ کی۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا، جب عید الفطر کا دن آیا، تو "مغفرت مآب" نے انتہائی کارِ تدبر سے ایک دانش مندانہ صورت اختیار کی، یعنی ناصر جنگ اور اُن کے رفقائے کو مرعوب کرنے کے لیے غیر معمولی شان شوکت اور پورے شاہانہ لوازم کے ساتھ عیدگاہ روانہ ہوئے، رکاب میں سامانِ حرب سے آراستہ ایک جرّار فوج چلتی تھی۔ نماز عید ادا فرما کے قیام گاہ کو مُراجعت کی۔ جب فوج اور اُس کے تُزک و احتشام کی اطلاع ناصر جنگ اور اُن کے ہوا خواہوں کو ہوئی، تو سب پر بدحواسی چھا گئی، اور ساتھ دینے والے دل ہی دل میں ڈرنے لگے۔ چناں چہ بعضوں نے جرأت کر کے شہزادے سے یہ کہہ کے کنارہ کشی اختیار کی کہ مدتوں جس کا نمک کھایا ہے، اس ولی نعمت کے مقابلے میں ہم سے تلوار نہیں اٹھ سکے گی، اس لیے ہم ساتھ دینے سے معذور ہیں۔ ان علی حدہ ہونے والوں میں ہمت یار خاں[1] اور ناصر جنگ کا ایک مصاحب عبد العزیز خاں بھی تھا۔ موخر الذکر جب ان کے پاس سے نکل کر نظام الملک کی خدمت میں پہنچا

[1] تذکرۂ تحفۃ الشعراء مرزا افضل قاقشال اورنگ آبادی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمت یار خاں ایک علامۂ روزگار و ذوفنون آدمی تھا۔ رنگینیٔ طبع کی وجہ سے شرفا کی دوستی کا زیادہ مشتاق رہا کرتا تھا، اس کے گھر میں نہایت پُر لطف صحبتیں میسر آتی تھیں جس میں افضل اکثر و بیشتر شریک رہا ہے۔ چناں چہ اس موقع کا (جب کہ یہ ناصر جنگ کو چھوڑ کر گھر چلے آیا تھا) یہ واقعہ لکھا ہے کہ "میں جس وقت ہمت یار خاں کے گھر میں داخل ہوا تو اس کو دیکھا کہ وہ خلوت میں بیٹھا نغمہ و سرود کی لذتوں میں محو ہے۔ میں نے اُس سے اس کے لوٹ آنے کا سبب پوچھا تو کہا کہ یہ پوچھنے کی کیا بات ہے؟

تو یہاں اس پر بہت سے الزام عائد ہوئے، جس کی وہ صفائی نہ کر سکا، اس لیے متہم ہو کر پھر ناصر جنگ کے پاس چلا آیا، جس نے ان کو والد کے مقابلے میں بڑی حد تک لڑائی کے لیے اُبھارا، چند اور بد باطنوں نے بھی ساتھ دیا۔ چوں کہ ان نام نہاد وفاداروں کی تعداد قلیل تھی، اور اکثر و بیشتر ساتھ چھوڑ چکے تھے، اور اُدھر یہ خبر مشہور ہو رہی تھی کہ آصف جاہ ایک کثیر جمعیت کے ساتھ ان کی تادیب کے لیے برہان پور سے نکل چکے ہیں، تو ناصر جنگ نے اس یاس انگیز موقع پر ہوشیاری کر کے بجائے جنگ و جدال، فقیرانہ روپ اختیار کر لیا، اور حضرت شاہ برہان الدین غریب علیہ الرحمہ کے مزار پر جا کر گوشہ نشینی اختیار کی۔ صاحب مرآۃ الصفا تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ انھوں نے لباسِ فقیری کے لوازم بھی یعنی آٹیاں (سیل) وغیرہ گلے میں ڈال لیں اور چرمی ڈول کمر سے باندھ کر روضۂ غریبؒ میں بیٹھے رہے[1]۔

حضرت آصف جاہ کو جب اپنی معمولی سی حکمت عملی کے متوقعہ نتائج اور ناصر جنگ کی عزلت گزینی کی خبر ملی، تو برہان پور سے فی الحقیقت نکلنے کا ارادہ کیا، اور چلنے سے پہلے محمد شاہ کی بارگاہ میں ایک عرضداشت روانہ کی جس کا مفہوم یہ تھا کہ:-

"چار سال تک یہ جان نثار، خدمتِ اقدس میں حاضر رہا، تو اِدھر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کیونکہ "پدر، صاحب، و پسر، صاحب زادہ، و من از ننگ آں ہا پرورش یا فتم برکدام آں ہا شمشیر بکشم"۔ اسی لیے بعد کو آصف جاہ کے دل میں بھی اس کی نسبت کوئی گرانی پیدا نہیں ہوئی۔ فتح کے بعد، اصل کے علاوہ پانچ ہزاری دو ہزار سوار کا منصب عطا کیا۔ طبل و علم بخشا۔ اور صوبہ داری بیجاپور و فوجداری ادونی و رائچور بھی دی۔ ...... ناصر جنگ جس رات شہید ہوئے ہیں، اس وقت ان کی جانب سے وفاداری دکھاتے ہوئے ان پر سے جان نثار کر دی صـ۵۳ (قلمی)

[1] تاریخ مرآۃ الصفا قلمی صـ۲۷۔

صوبۂ دکن میں، میری عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر دشمنوں نے بڑے بڑے فتنے جگا دیے۔ چنانچہ ناصر جنگ کو اس حد تک بھڑکایا کہ وہ ان کی حمایت کے غرور میں، اس خانہ زاد کے مقابلہ پر اتر آیا، اور اپنے کو مستقل صوبہ دارِ دکن سمجھنے لگا تھا، مگر وہ ناتجربہ کار یہ نہ سمجھ سکا کہ اگر فدوی پر اس کو فتح بھی نصیب ہو جاتی، تو خود وہ اور اس کا ملک ان بدسرشت غدار نمک حرام حاشیہ نشینوں کی دراز دستیوں سے کب محفوظ رہ سکتا تھا۔ اس کھلی حقیقت کے باوجود کہ انھوں نے مجھ سے بے وفائی کرکے، اس سے جو وفاداری کے مواعید کیے تھے وہ کس طرح مضبوط رہ سکتے تھے، آخر بے سمجھ تھا، اس لیے کوئی تمیز نہ کر سکا، اس نے ان لوگوں کو من مانے اور بے غل وغش جاگیریں دے رکھی تھیں اور بڑے بڑے انعام کے وعدے کیے تھے۔"

ہر چند اسے نصیحت کی لیکن فتنہ پرداز درباریوں نے اس پر اس کا کچھ اثر نہ ہونے دیا، بلکہ جنگ کے ارادے سے تیس ہزار جمعیت کے ساتھ کتل فردا پور میں، جو برہان پور سے تیس کوس کے فاصلہ پر ہے، مقابلہ کے لیے اتر پڑا، اولاً متہور خاں کے ذریعے اور بعد میں مکرر عبدالحسین خاں میر سامان کے توسط سے، یہ پیام بھیجا کہ دکن کی صوبہ داری اس کے سپرد کر دی جائے، اور فدوی حضور میں واپس چلا جائے۔ جب دیکھا کہ اس نوجوان کا فاسد مزاج کسی دوا سے بھی اچھا نہیں ہوتا، تو بموجب "آخِرُ الدَّوَاءِ اَلْکَیُّ" (آخری علاج داغ ہے) فدوی نے بھی مجبوراً فوج جمع کرنی شروع کر دی اور ابھی برہان پور سے نکلنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس کی اطلاع ناصر جنگ کے

لشکر کو ملی، جس سے سرداران فوج سراسیمہ ہو گئے، اور لڑائی سے انکار کیا، چنانچہ محتشم خاں، بخشی منصبداران دکن، خانِ عالم، اور سنبھاجی وغیرہ اپنی اپنی فوج اور توپ خانے لیے ہوئے اس عقیدت کیش کے پاس آ گئے۔ جب اس نادان نے اپنی سپاہ کا یہ رنگ دیکھا تو فی الفور جنگ سے کنارہ کشی اختیار کر کے، لباسِ فقیری پہن لیا ہے، اور سنا کہ اب حضرت برہان الدین غریبؒ کے روضۂ مبارک میں پناہ لی ہے۔

"خدائے بزرگ و برتر کا احسانِ عظیم ہے کہ، ایک شورش جو مایۂ فساد تھی، رفع ہو گئی، مگر اب تک بعض قلعے، مثلاً درنگدہ، جُنیر وغیرہ مخالفین کے قبضہ تصرف میں ہیں۔"

"فدوی درگاہ کو یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ مرہٹوں نے ملک کرناٹک پر قبضہ کر لیا ہے، اور اب ایک جرار فوج جمع کر کے، حیدر آباد پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اس لیے حقیر کا خیال ہے کہ، ان ہنگاموں کو فرو کرنے کے لیے اور باغیوں کی سیاست کی خاطر آگے بڑھے، اور ملک کو فتنہ و فساد سے پاک صاف کرے۔ اس کے بعد جو واقعات پیش آتے رہیں گے، فدوی عرائض کے ذریعے خدمتِ اشرف میں ان کی اطلاع بھیجتا رہے گا۔"[1]

ناصر جنگ کا گوشہ نشینی ترک کر کے آصف جاہ سے مقابلہ اور اُن کی گرفتاری

شورش پسندوں نے جب یہ دیکھا کہ اس وقت آصف جاہ اکیلے اور بے سروسامانی کے عالم میں ہیں، تو ناصر جنگ کے پاس جا کر پھر مقابلہ کے لیے

---

[1] تاریخ ظفرہ (قلمی) ص۸۵۔

اُکسایا، اس خصوص میں زیادہ تر عبدالعزیز خاں اور فتح یاب خاں نے حصّہ لیا جن کے کہنے سننے سے ناصر جنگ سات ہزار سوار جمع کر کے قلعہ ملہیر سے نکلے، اور ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۱۵۰ھ کو چہار شنبہ کے دن بہ ارادۂ جنگ روضۂ حضرت غریبؒ کے متصل ڈیرے ڈالے۔

جنگ آزمودہ، مدبر اور جلیل القدر باپ (آصف جاہ) نے جب یہ خبر سُنی تو نہایت استقلال سے جس قدر بھی سپاہ اور توپ خانہ باقی رہا تھا، اسی کو ہمراہ لے کر شہر اورنگ آباد سے کوچ کر کے، عید گاہ کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ توپوں کے کھینچنے کے لیے اس وقت ان کے پاس جانور تک موجود نہ تھے، اس لیے کسانوں سے بیل لیے گئے۔ ایسی بے سروسامانی کے موقع پر انھوں نے اپنی فطری بہادری و ثابت قدمی کا وہ ثبوت دیا، جسے دیکھنے والے دیکھ کر دنگ ہو گئے، حالانکہ فوج اس قدر کم تھی کہ خود سپاہیوں کے دل ٹوٹے جا رہے تھے اور اُن پر خوف و ہراس طاری تھا۔ آصف جاہ نے شاہ ولی خاں نامی ایک فقیر کے ذریعے ناصر جنگ کو پھر نصیحت کی لیکن سود مند نہ ہوئی۔ ادھر ناصر جنگ خلد آباد کے بزرگوں کے مزاروں کا طواف کرتے اور اپنے عالی قدر باپ پر فتح یابی کی دعائیں مانگتے پھر رہے تھے، اور اُدھر آصف جاہ بڑے ثبات و استقلال سے کھڑے فوجوں کی صف بندی فرما رہے تھے۔ چناں چہ کتاب لمعۃ الشمس (منظوم) میں محمد تقی ہمدم برہان پوری نے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے، جس کے منتخب اصل اشعار ہم یہاں درج کیے دیتے ہیں۔ واقعے کو نظم کرنے سے قبل اس کا عنوان لکھا ہے:-

"داستانِ نواب نظام الدولہ مرحوم کہ ناصر جنگ مُلقب بود۔ و آمدنِ او پیشِ حضرتِ مولیٰ قدس سرہٗ و عرض نمودن کہ برائے جنگ پدرِ خود رَوَم فاتحہ برائے من بخواں۔ و نصائح فرمودن شمس الدین، و فرمودن کہ خیریت خواہد شد۔

بد نظام الدولہ نامی، یک امیر — ابنِ آصف جاہ، خسرو را، وزیر
روزے آمد، از پئے اخذِ مراد — پیش آں مقبولِ عباد ؏
با امیران و رفیقاں، نوکراں — با جلال و حشمت و فوجِ گراں
آمد و خم گشت از بہرِ سلام — روبروئے شمسِ دیں، مولا، امام
آن یداللہ، دست بر سینہ گذاشت — کہ براو، الطاف از دیرینہ داشت
آمد و بنشست پیشش بندہ وار — ہم امیرانش ہمہ خدمت گزار
پیشش استادند جملہ، صف بصف — نوکرانش در محل، ہر دو طرف
گفت مولیٰ جملہ را، بے وا ہمہ — کہ نشینید ایں زماں، پیشم ہمہ
در نشستن کردہ اند، آں ہا درنگ — از ادب، بے حکمِ آن، ناصر بجنگ
گفت ناصر جنگ را، مولائے پاک — کہ بفرما، تا کہ بنشینند پاک
پس بہ حکمش جملگی بنشستہ اند — لحہ از بندگیش رستہ اند
در جنابش با ادب، پورِ نظام — عرض کرد از عجز و زاریٔ تمام
کہ مہمے دارم، اے ابنِ اسدؑ! — فاتحہ بہرش بخواں..... شود
گفت مولا، چیست عرضت، فاش گو — تا شوی از مطلبِ خود کامجو
گفت، خواہم جنگ کردن بایدؑ — تا بیارم در تصرف بحر و بر
پاسخش فرمود مولا، کاے امیر! — صاحب علمی دین و دنیا.....
کے بود، در ہیچ مذہب ایں روا — کہ پسر با والدش ورزد وغا
چونکہ بشنید ایں جواب از شاہِ دیں — از خجالت سرگشت و دلِ حزیں
سر زبر افگندہ زاں عالی مکاں — باو دیگر ملتمس شد، ہم چناں
کہ مرا باشد بدل، ایں عزم جزم — فاتحہ خواں، تا شوم غالب، بہ رزم
گفت مولیٰ خیریت خواہد شدن — باش صابر وقتِ اندوہ و حزن

پس طلب کرد سوئے خود پُرشگر — از حرم بہر امیر نام ور . . . .
چوں سپورا خادماں آوردہ اند — از میان ترکیدہ پیشش بردہ اند
خود ازاں قدرے بجود خود فرد — جملہ را او زاں تبرک بخش کرد
گشت رخصت از شہ والا گہر — شد رواں بہر غزا سوئے پدر
ہم ازاں سو آصف از ہند آمدے — سوئے ملکِ خویش رہ پیما شدے
با قلیل الفوج و خستہ از سفر — فکرمند از شرِ آں باغی پسر
یک ہزار از فوج پیشش بلکہ کم — آمدے منزل بہ منزل پُر ز غم
با پسر بودہ قریب شش ہزار — از سپاہِ فوج بشنو در شمار
داخل اورنگ آباد او شدہ — ہم پسر زیں سو بہ جنگش آمدہ
عاقبت آصف ز شہر آمد بدر — تا نماید جنگ با باغی پسر
تاختند ابنش بر پدر یا ننگ و نام — جنگ شد در ہر دو لشکر وقتِ شام
جنگ شد مغلوبہ و ہنگامہ جست — ناگہاں در لشکرِ ناصر شکست
ادفتاد و فوج او جملہ گریخت — آں پسر با مردمِ معدود ریخت
از شجاعت فیل را خود راندہ است — درمیانِ فوج تنہا ماندہ است
پس محاصر گشتہ و کردہ اسیر — بردہ اند اعیاں سوئے آصف وزیر
بر دلیریش نمودہ آفریں — برد یا خود آصف از امرِ معین
خیریت شد موجبِ امرِ ولی — شمسِ دینِ پاک فرزندِ علی"[1]

الغرض حضرت مغفرت مآب نے خواجم قلی خاں اور متوسل خاں کو ہراول پر مقرر کیا جمیل بیگ خاں اور رحیم اللہ خاں کی سرکردگی میں میمنہ دیا گیا اور ابوالخیر خاں

---

[1] لمعۃ الشمس (منظوم) قلمی صفحہ ۲ (?) از محمد تقی برہان پوری

وخواجہ حامد اللہ خاں (پسر مبارز خاں مرحوم صوبہ دار حیدر آباد) کو میسرہ پر مامور کیا، تہوّر خاں وسلیم خاں کمک پہنچانے کے لیے متعین ہوئے۔

آدھی رات کے قریب (کہ اس کے بعد صبح ناصر جنگ سے مقابلہ ہوا ہے) خبر ملی کہ صاحب زادے، فتح یاب خاں کی سرکردگی میں چاہتے ہیں کہ سرائے ہرسول پر قبضہ کرلیں، تاکہ یہاں جو سرکاری باروت اور سامانِ جنگ موجود ہے، اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اس اطلاع کو سن کر آصف جاہ نے فتح الدین علی خاں عرض بیگی کو حکم دیا کہ کسی رسالدار کو جس کی جمعیت اچھی ہو، انتخاب کرکے سرائے مذکور میں متعین کردو۔ عرض بیگی نے مرزا افضل قاقشال (صاحب تذکرہ تحفۃ الشعراء) کا نام پیش کیا، تو اس انتخاب کو سن کر پسند کیا، اور حکم دیا کہ اس کو بلایا جائے، جب یہ خدمت میں پہنچا تو سید لشکر خاں، ابوالخیر خاں، اور دوسرے امرائے عظام جو حاضر تھے، ان کو مخاطب کرکے فرمایا کہ:۔

"بہ عالم علی خاں ومبارز خاں، چہ نصائح ومواعظ کہ نہ نوشتیم نہ شنیدند، و بہ ایں ہا (یعنی ناصر جنگ) را ہم آں چہ شرطِ نصیحت بود، کردیم۔ اصغانمی نمایند۔"

وایں بیت بر زبان مبارک راند[1]

لطفِ حق با تو مواسا ہا کند ۔۔۔ چوں کہ از حد بگذرد، رسوا کند

اس گفتگو کے بعد افضل قاقشال کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تم سرائے جاؤ، وہاں احتیاط کے ساتھ اس کی نگرانی کرو۔ پان سو، سوار اور اسی قدر جزایل انداز تمہارے ہمراہ مقرر کرتا ہوں۔

دوسرے دن ۲۰، جمادی الاولیٰ کو ناصر جنگ خلد آباد کی طرف روانہ ہوئے

---

[1] تذکرہ تحفۃ الشعراء (قلمی) قاقشال ص۳۵

ان کے مصاحبین نے (جیسا کہ ابھی تذکرہ کیا گیا ہے) انھیں یہ مشورہ دیا کہ سیدھے شہر اورنگ آباد کو، آصف جاہ کے خیموں کی طرف چلنے کے بدلے، دہلی دروازہ کی جانب چلنا چاہیے کہ جہاں سارے ہر سول میں بہت سا، سامانِ جنگ موجود ہے، اس پر قبضہ کر لینے کے بعد، اسی راہ سے شہر میں داخل ہوں گے۔ اس مشورہ کی بنا پر مقام "کٹی گھاٹی" تک پہنچے، جہاں ناصر جنگ نے ظہر کی نماز باجماعت ادا کی۔ مقررہ مشورہ کے بجائے، یہاں پھر ایک نئی تجویز قرار پائی کہ، نہیں! اس طرف کو نہیں چلنا چاہیے بلکہ راست آصف جاہ کے خیموں کی طرف ہی کوچ کرنا مناسب ہوگا۔ اس طرح چلنے سے ناصر جنگ کی فوج کی ترتیب گبڑ گئی۔ ہرکارے نے نواب صاحب کو اطلاع دی کہ شہزادے صاحب، مقام "کٹی گھاٹی" سے آرہے ہیں، تو حضرت نے اُس کی زبان سے یہ الفاظ سُن کر، فالِ نیک لی، اور دو مرتبہ لفظ "کٹی گھاٹی" کی تکرار کی۔ جنگ کے موقعوں پر، جن دعاؤں کا ورد کیا کرتے تھے، ان کو پڑھتے ہوئے، ہاتھی پر سوار ہوگئے۔ سہ پہر تک ناصر جنگ کا لشکر، مغفرت مآب کے پڑاؤ کے قریب پہنچ گیا۔ دشمن کے عَلَم دیکھ کر جانبین ایک دوسرے پر پل پڑے، اور شام تک خوب گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔

ناصر جنگ کے سپاہی بڑی بے ترتیبی سے لڑتے رہے، جس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی فوج میں اکثر دیہاتی، اور گنوار نوکر ہوگئے تھے۔ یہ توپوں کی آوازیں سُن کر بھاگنے لگے، ان کے علاوہ، سید جمال خاں، عبدالعزیز خاں اور فتح یاب خاں، جو صاحب زادہ صاحب کا بڑا دم بھرتے تھے۔ اور اپنی بڑی جواں مردی کا انھیں یقین دلا کر بغاوت پر آمادہ کیا تھا، اپنے اپنے ہاتھیوں سے اتر کر فرار ہوگئے[1]۔ دھویں اور گرد سے میدان جنگ تاریک ہو رہا تھا، اور اسی طرح شام بھی قریب آتی جا رہی تھی۔ بعض

---

[1] تذکرۂ تحفۃ الشعراء، صفحہ ۵۵ ۱۲

لوگ اس تاریکی اور دھویں کی وجہ سے، ان کے لشکر سے بھٹک کر جدا بھی ہو گئے، بان اندازی کی بدولت، چھ سات ہاتھی بھی اکھڑے، جس کی وجہ سے ناصر جنگ کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی، لیکن خود وہ، دو تین سو، سواروں کے ساتھ ہاتھی پر بیٹھے ہوئے جرأت سے مقابلہ کرتے رہے، اور یہاں تک جسارت کی کہ جب ان کے داروغۂ فیلبانان، محمد عابد کو، جو اُن کی فیل بانی کر رہا تھا، کنور جان چند نے مقابل ہو کر بندوق سے ہلاک کر دیا، تو خود انہوں نے اس کی جگہ لی، اور ہاتھی کو بڑھاتے ہوئے اپنے چند رفقاء کے ساتھ صفوں کو چیرتے آصف جاہ کے ہاتھی کے قریب پہنچے ہی تھے کہ دو معمولی زخم اُن کے لگے، یہ دیکھتے ہی، حضرت نے بہ آواز بلند یہ شعر پڑھا[1]

"مارنا عاشق کا کارِ سہل ہے اے دلرُبا! صید کو جیتا پکڑنا، صنعتِ صیاد ہے"

اس اثناء میں آصف جاہ کے داماد، متوسل خاں نے اپنی کمان راست کی، اور تیر چھوڑ کر انہیں ہلاک کرنا چاہا، لیکن ان کے بیٹے، ہدایت محی الدین خاں (مظفر جنگ) نے، جو عماری میں ساتھ ہی بیٹھے ہوئے تھے، فوراً اپنے باپ کا ہاتھ پکڑ لیا، اور اپنے ماموں (ناصر جنگ) کو مارنے سے بچا لیا، اس عرصہ میں مغفرت مآب کے سپاہی بھی چاروں طرف سے پہنچ گئے، اور ناصر جنگ کو گھیر لیا۔ سید لشکر خاں نے تیزی کر کے اپنا ہاتھی ان کے قریب پہنچایا اور عرض معروض کر کے، ان کو اس پر سوار کرا لیا[2]۔ شہزادہ صاحب کے

---

[1] تاریخ آصف جاہی مصنفہ قادر خاں بیدری (قلمی) ص 11/2 مکتوبہ سنہ 1266ھ۔

[2] تحفۃ الشعراء کا مؤلف لکھتا ہے کہ "سید لشکر خاں" ان دنوں آصف جاہ سے آزردہ خاطر تھے اور اورنگ آباد میں، منصب وغیرہ سے استعفا دے کر خانہ نشینی اختیار کی تھی۔ جس کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے اپنے لیے جاگیر کی درخواست کی تھی، جو منظور نہ ہوئی۔ جب اس بغاوت کا ہنگامہ پیش آیا، تو نمک حلالی اور اس محبت کی وجہ سے جو ان کو مغفرت مآب کے ساتھ تھی، اس معرکہ میں نکل آئے، جب یہ فتنہ فرو ہو گیا، تو پھر خانہ نشین ہو گئے۔ ناصر جنگ کو صحیح و سلامت بچانے میں اس وقت انہوں نے جو سعی کی تھی، (باقی بر صفحۂ آئندہ)

سید موصوف کے ہاتھی پر سوار ہوتے ہی، آصف جاہ کی فوج میں فتح کے نقارے بجنے لگے۔

مآثر الامراء کا سبب تالیف یہ پڑھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اس معرکہ میں، ناصر جنگ کے طرف داروں میں (عبدالرزاق) صمصام الدولہ شاہ نواز خاں بھی تھے۔ جب لڑائی ختم ہو گئی تو حرز اللہ خاں (نبیرۂ سعد اللہ خاں وزیرِ اعظم) نے صمصام الدولہ سے اپنے قدیم تعلقات اور بے تکلفی کے باعث تمسخرانہ انداز میں کہا کہ :-

"بیٹا تو اب اپنے باپ کے گھر جاتا ہے، مگر آپ کہاں جائیں گے
جتنا ہو سکا، حقِ رفاقت تو ادا کر دیا۔ مناسب ہوگا کہ اب آپ
کنارہ کشی اختیار کر لیں"

گو یہ بات بہ طورِ مزاح کہی گئی تھی، مگر شاہ نواز خاں پر اثر کر گئی، اور وہ فوراً اپنے ہاتھی سے اُتر پڑے، یہاں سے نکل کر اپنے گھر پہنچے اور ایسے عزلت گزیں ہوئے کہ پانچ برس تک باہر قدم نہ رکھا، اور اسی زمانۂ فرصت میں "مآثر الامراء" جیسی بے نظیر کتاب لکھی، گویا سمجھنا چاہیے کہ قدرت نے اس عظیم کارنامہ کی خاطر ان کے لیے یہ سارے اسباب مہیا کر دیے تھے۔

جب ناصر جنگ کی گرفتاری کی خبر آصف جاہ کو ہوئی، تو حکم دیا کہ انہیں رات بھر ایک علیحدہ خیمہ میں، بہ نگرانی تمام رکھا جائے۔ لالہ منسارام ناقل ہیں کہ اس وقت حضرت نے غصہ کی حالت میں حاضرین کو مخاطب کر کے صرف اس قدر فرمایا کہ :-

"جب میر احمد کو چیچک نکلی تھی، تو میرے قلب پر کمال اضطراب طاری تھا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس کی وجہ سے ہمیشہ نواب شہید ان کو مراسلت میں "برادرِ جان بخش" لکھا کرتے تھے۔ (تحفۃ الشعراء صد ۵۹) ۱۲

اس بے چینی کے عالم میں ایک عجیب مضحکہ خیز اور خلاف عقل حرکت محل کے لوگوں کے بے حد اصرار پر مجھ سے سرزد ہوئی تھی یعنی عورتوں کے کہنے سننے پر میں نے گدھے کو اپنے دامن میں دانہ کھلایا، اور اس کی محبت میں یہ خلاف شرع کام کیا تھا، جو کسی مسلمان کے لیے زیبا نہ تھا، لیکن افسوس کہ یہی وہ ناہنجار ہے، جو ہماری اتنی محبت اور مہربانیوں کے باوجود آج ہم سے برسرِ پیکار ہوا۔"

الغرض اس گفت و شنید کے بعد، عشاء کی نماز کے وقت میدانِ جنگ سے نکل کر دولت خانے میں داخل ہوئے، جو شہر اور نگ آباد کی عیدگاہ کے غربی جانب واقع تھا، یہاں آنے کے بعد بہ اقتضائے محبتِ پدری اپنے کپڑے بھیجے تاکہ ناصر جنگ کے خون آلود لباس کو اُتار کر پہنا دیے جائیں اور خود جو دوشالہ اوڑھا تھا، وہ بھی بھیج دیا۔ زخموں کی مرہم پٹی کے لیے جرّاح بھی مامور ہوئے۔

مورخین لکھتے ہیں کہ مغفرت مآب کو اس فتح سے تین خوشیاں نصیب ہوئیں جس کے باعث وہ بے حد مسرور تھے۔ ایک مسرت تو اس بات کی تھی کہ ان کے فرزند سلامتی کے ساتھ گرفتار ہوئے۔ دوسری خوشی اس کی تھی کہ لڑائی کے وقت انہوں نے ناصر جنگ کو نہایت درجہ سپاہیانہ و دلیرانہ جرأت سے مقابلہ کرتے ہوئے دیکھا تھا، کہ وہ بغیر کسی پس و پیش کے جان پر کھیل گئے، اور فیل بان کے مارے جانے کے باوجود، اس کی جگہ خود ہاتھی کی گردن پر سوار ہو کر مقابلہ پر ڈٹے رہے، اور ایسے نازک لمحہ میں جنگ سے منہ نہ موڑا۔ تیسرا سبب یہ تھا کہ بہت ہی تھوڑی سپاہ اور بڑی بے سروسامانی کے باوجود فتح نصیب ہوئی۔

اس موقع پر ملازمین دربار کے سب سے پہلے جس شخص نے نذر گزرانی وہ ابو الخیر خاں (موسس اعلیٰ ہر سہ خاندان پائے گاہ) تھے، انہوں نے ... کے بعد دیگرے دو نذریں۔

پیش کیں، تو نواب صاحب نے دوسری نذر کے متعلق دریافت کیا ابوالخیر خاں نے کہا کہ پہلی نذر فتح کی، اور دوسری شہزادے کی سلامتی کی ہے۔ یہ سن کر نظام الملک بے حد مسرور ہوئے، اس کے بعد سبھوں نے دو دو نذریں گزرانیں۔

جب معرکہ کی رات ختم ہوئی، تو اس کی صبح کو یعنی ۲۱ جمادی الاولی ۱۱۵۴ھ کو جمعہ کے دن، صبح صبح شہر خجستہ بنیاد لوٹ آئے، اور عبدالعزیز خاں (مقبول عالم) کی حویلی میں ناصر جنگ کو نظر بند رکھنے کا حکم دیا، اور واجد علی خاں کو ان کا نگران بنایا۔ ان کے حلیفوں سے، عبدالحسین خاں پر بھی نگرانی قایم کردی گئی۔ اور سید جمال خاں کو خانہ نشین کر دیا گیا، ابراہیم علی پسر حاجی محمد علی خاں اور مرزا حسن علی المخاطب ناصر قلی خاں قلعۂ دولت آباد میں جاکر پناہ گزیں ہوئے اور دیگر رفقا بھی بھاگ بھاگ کر مختلف مقامات پر چھپتے رہے، لیکن نواب صاحب نے بہ چشم عفو ان سے کوئی تعرض نہ کیا۔

ناصر جنگ کی تادیب، عفو جرائم اور اُس کا رقت انگیز منظر

ہر چند محبت پدری موج زن ہوتی تھی، لیکن آصف جاہ کافی ضبط و تحمل سے کام لیتے رہے۔ ناصر جنگ کی تادیب اور وقار سلطنت باقی رکھنے کے لیے حکم دیا کہ کوئی شخص ان کے دربار میں، شہزادے کا ذکر، اُن کے خطاب کے ساتھ نہ کیا کرے۔ صرف ان کا نام میر احمد لیا جائے۔ ان کا سلام مجرا بند کر دیا، اور اسی طرح وہ خطابات بھی منسوخ کر دیے، جو ناصر جنگ نے لوگوں کو دیے تھے، اور ساتھ ساتھ ان لوگوں کی جاگیریں بھی ضبط کرلیں۔

ناصر جنگ کے اسباب سے جب اُن کا قلمدانِ خاصہ، نواب صاحب کی خدمت میں پیش ہوا، تو انھوں نے اس کو موسوی خاں میر منشی دربار کے حوالے کردیا[1]

---

[1] تحفۃ الشعرا، ص ۵۶ ۱۲

جب یہ کھولا گیا تو اس میں سے (۳۸) عرائض ان ارکینِ دولت کے نکلے، جنھوں نے ان کو اپنی رفاقت کا یقین دلایا تھا۔ لکھا ہے کہ جس وقت یہ قلم دان کھولا جا رہا تھا ان میں سے اکثر حضرات اس وقت آصف جاہ کی بارگاہ میں حاضر تھے۔ بوسوی خاں نے یہ عرضیاں نکال کر ملاحظہ میں پیش کیں، تو حضرت ملتفت نہ ہوئے، اور خاموش ہو رہے دوسری بار پھر جب توجہ دلائی اور ایک عرضی کھول کر پڑھنے کا ارادہ کیا تو روک دیا، اور کہا کہ فتنہ فرو ہو جانے کے بعد، کیوں سُناتے ہو؟ اب بے کار کسی کا راز فاش نہ ہونے پائے اور یہ بلا وجہ باعثِ کدورت و بدظنی نہ بنیں، چناں چہ اپنے اور حاضرینِ دربار کے روبرو، ان سب عرائض کو فی الفور دھلوا دیا۔ آصف جاہ کے تدبر اور اُن کے عفو کرم کی یہ کس قدر اعلیٰ مثال ہے۔

الغرض اواخر شعبان ۱۱۵۴ھ میں نواب نظام الملک، اورنگ آباد سے قلعۂ ملھیر کی تسخیر کے واسطے روانہ ہوئے تو ناصر جنگ بھی بحالتِ نظر بندی، پالکی میں ساتھ تھے یہاں سے فارغ ہو کر حیدر آباد کے عزم سے نکلے، تو راہ میں، قلعۂ قندھار میں مقام کیا، یہاں ناصر جنگ کو چھوڑ کر، قلعہ نلدرک پہنچے، شاہی محلات ساتھ تھیں اور وہ برابر ان کے قصور کی معافی کی کوشش کر رہی تھیں، یہاں پہنچ کر ان بیگموں نے موقع پایا اور اصرار کے ساتھ درخواست کی، خود حضرت کا دل بھی بھر آ رہا تھا، اس لیے ناصر جنگ کو قلعۂ قندھار سے یہاں (قلعہ نلدرک) اپنے پاس طلب کیا، جس وقت شہزادے صاحب حاضر ہوئے، خود بدولت فتح چوکی پر بیٹھے ہوئے تھے، بخشی الملک محتشم خاں نے خدمت میں پہنچایا، ان کے ہاتھ رواں سے بندھے ہوئے تھے، حضور نے دیکھ کر حکم دیا کہ ہاتھ کھول دو۔ ناصر جنگ بے ساختہ چیخ مار کر قدموں پر گر پڑے اور یہ شعر اُن کے وردِ زباں تھا[۵]

کاش کہ! مادر نہ زادے بہ بدے ۔۔۔۔ جائے شیرم زہر دادے بہ بدے

آصف جاہ کا حال بھی دیدنی تھا، باوجودِ ضبط محبت پدری، اپنا اثر دکھائے بغیر نہ رہ سکی،

آنکھوں سے آنسو رواں تھے، اور حاضرینِ دربار پر بھی اس منظر سے رقت طاری تھی۔ ناصر جنگ کو قدموں سے اٹھا کر گلے لگا لیا، پھر اپنے روبرو خلعت پہنائی، حکم ہوا کہ چند روز یہیں قیام کرو کہ تم میں ابھی نقاہت باقی ہے۔ اس کے بعد آصف جاہ خود ہاتھی پر سوار ہو کر یہاں سے نکلے، جب تک قلعہ نظر آتا، اُدھر ہی دیکھتے رہے، آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔

ناصر جنگ کو رہائی کے بعد حکم ملا کہ جب ہم یاد کریں، سلام کے لیے حاضر ہوا کرو، کچھ دنوں تک تو رکاب میں پیچھے چلنے کا حکم رہا، اور ان کے لیے علیحدہ خیمہ ایستادہ ہوتا تھا، جس وقت آصف جاہ نے صوبۂ برار کی طرف کوچ کیا، تو ناصر جنگ کو یاد کر کے، خلعت، شمشیر اور کٹار عطا کی، خطاب بھی بحال کر دیا، اور ان کے سارے منضبطہ کارخانے اور ساز و سامان بھی واپس فرما دیا۔

سنہ ۱۱۵۵ھ میں نواب صاحب کرناٹک کے ارادے سے نکلے تو ناصر جنگ کو بھی ہم راہ لیا، کیونکہ اطلاع ملی تھی کہ ہمت جنگ صوبہ دار کو (جو ناصر جنگ کے ماموں اور جن کو انھوں نے اس خدمت پر مامور کیا تھا، اور آصف جاہ نے بھی بحال رکھا تھا) ہمت خاں حاکم کرنول نے قتل کر دیا۔

سنہ ۱۱۵۸ھ میں مغفرت مآب نے ناصر جنگ کو اورنگ آباد کی صوبہ داری بخشی، جب سنہ ۱۱۵۹ھ میں حیدرآباد سے دھارور آئے تو انہیں اورنگ آباد سے طلب کیا، اس وقت شہزادے صاحب، علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی کے ساتھ، والد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آصف جاہ ان کو لے کر مقام واکنکیرا تک بڑھے، اور یہاں سے راجۂ میسور کے پاس پیش کش وصول کرنے کے لیے روانہ کیا، کیوں کہ ان دنوں علاقۂ میسور سلطنت دکن کی عمل داری میں آچکا تھا، اور یہاں کا راجہ باج گذار تھا۔ حکم کی تعمیل میں ناصر جنگ سری رنگ پٹن گئے

اور ایک کثیر رقم وصول کر کے والد ماجد کی خدمت میں لوٹ آئے۔

جب احمد شاہ ابدالی کے حملہ کی مدافعت کے لیے شاہِ دلی نے آصف جاہ کو طلب کیا، تو آپ فرمان کی تعمیل میں نکل پڑے، اور اپنے ساتھ ناصر جنگ کو بھی لیا، دلی پہنچنے سے قبل، اثنائے راہ میں، جب محمد شاہ کی وفات اور احمد شاہ کی تخت نشینی کی خبریں سنیں تو واپس لوٹ رہے تھے کہ رستے ہی میں، ان کا ۵ جمادی الآخرہ ۱۱۶۱ھ کو دوشنبہ کے دن انتقال ہو گیا۔

صمصام الدولہ شاہ نواز خاں نے اِس حادثہ کے متعلق، ناصر جنگ کو جو عرضی لکھی ہے، وہ پڑھنے کے قابل ہے، جس میں ایسے نازک موقع پر، جب کہ اِن کے بڑے بھائی، اور ان کے بھانجے ہر دو، دعوے دارانِ تخت موجود تھے، انھوں نے حالات کو قابو میں رکھ کر، دور اندیشی کے ساتھ جو موافق مرام بنایا، اس کو سراہا ہے۔ عرضی کے اصل الفاظ یہ ہیں:—

"در تعزیت ارتحال نواب آصف جاہ، و تہنیت تعلق گرفتنِ ریاستِ دکن، بہ نواب ناصر جنگ شہید"۔

"نیرنگیٔ روزگار بہ گوید، یا چگونگی تقدیر گذارد، ہیہات ہیہات!! آں جانِ جہاں، بل جہانِ جاں را، کہ اگر چرخ دو ہزار سال دگر چرخ زند، چنیں صاحب اقبال، بلند حوصلہ، کم ترپائے عرصۂ وجود نہد۔ از سر عالم و عالمیان برگرفت، کہ وجہ، شکیبائی درباخت، بہ دور و نزدیک شورش راہ یافت۔ الم و اندوہِ حضرتِ ولی نعمت را کہ اندازہ تواند گرفت اما ازاں رو کہ، چین شکایت، بر ابروے عبودیت، بہ حکم فطانت گنجائش نہ دارد۔ بہ دامن صبر خرامیدہ، بدانچہ ناگزیر وقت است توجہ باید گماشت انشاء اللہ المستعان۔"

"رموز انفسی و آفاقی کہ در ذاتِ با برکات، مودعِ دستِ قدرتِ الٰہی
است تقریباً و تجدیداً سمتِ ظہور می یابد - آں چہ مجدّداً، ذہنِ
وضیع و شریف گرویدۂ غیب دانیٔ والاست، کہ اگر بر وفق تکلیف حضرت
خلد آرام گاہ اقامتِ خجستہ بنیاد، اتفاق می افتاد، جز ایں انکسار،
وجمیع ایں افتراق کہ لازمۂ چنیں حوادث است چگونہ صورت می گرفت،
وخدانخواستہ، آشوب اُردو بہ آں جا د اطراف سرایت می کرد- الحمدللہ
بہ میامنِ ضبط و تسلّطِ جناب مستطاب، اُردو از تفرقہ مصئون و
ملک از تخلل مامون ماند" انتظام بخشِ حقیقی" وجود فایض الجود را، منتظمِ
ملک و ملت دارد۔[1]"

---

[1] مکتوباتِ شاہ نواز خاں صفحہ ۳۲ ۱۲

دوسرا باب

تخت نشینی اور دوسرے حالات

تخت نشینی اور عہدہ داروں کا عزل و نصب

چوں کہ نواب نظام الملک کے بڑے بیٹے غازی الدین خاں، دربارِ دہلی میں، ان کی نیابت کرتے تھے۔ اسی لیے ہمیشہ دکن کے نظم و نسق میں، ناصر جنگ شریکِ کار رہے، چناں چہ آصف جاہ کے انتقال سے دو تین روز قبل ہی وہ ریاست کے کاغذات پر دستخط کرنے لگے تھے، وصیت کے لحاظ سے اور بوقتِ انتقال پاس موجود ہونے کی وجہ سے بھی، ان ہی کو تخت نشینی کا موقع نصیب ہوا، تین روز تک ناصر جنگ، دریائے تاپتی کے کنارے "موہن نالے" کے قریب مراسمِ سوگ ادا کرنے کے بعد، چوتھے دن ۸، جمادی الاخریٰ ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء کو، آصف جاہی مسند پر متمکن ہوئے، اور نوبت بجانے کا حکم دیا۔ نویں کو برہان پور سے نکل کر، "شنکر کھیڑہ" کی راہ سے، اورنگ آباد آئے، رستے ہی سے تغیر و تبدل کے احکام کا صدور ہوتا رہا، میر احمد خاں دیوان کو خواجہ مومن خاں کی جگہ برہان پور کی صوبہ داری بخشی۔ اورنگ آباد پہنچنے کے بعد، مزید انتظامات میں مصروف ہوئے پورن چند کو دیوانی سے معزول کیا، اور اس کی جگہ پھر عبد الرزاق کو شاہ نواز خاں کا خطاب عطا کرکے، دیوان دکن مقرر کیا، مورو پنڈت کو،

راے کشن داس کا خطاب مرحمت کر کے پیش کاری دی۔ حکیم عبدالحسین خاں خلف حکیم نقی خاں کو میر آتش' اور قاضی محمد دائم صوفی تخلص کو منصب ہزاری دے کر صدر دکن بنایا۔ ابو تراب خاں بہرام جنگ کو علیٰحدہ کر کے' ان کی جگہ اپنے خان سامانِ خاص عوض بیگ خاں کو شاہ بیگ خاں کا خطاب اور خان سامانی کل کی خدمت سپرد کی۔ اس طرح متعدد عہدہ داروں کا عزل و نصب کیا۔

ناصر جنگ کے عہد میں حُدودِ سلطنتِ آصفیہ' اور اندازہ آمدنی

آصف جاہ کے انتقال پر' ناصر جنگ' چھے صوبہ جاتِ دکن کے تنہا وارث قرار پائے' جن کی سلطنت کے حدود شمال میں دریائے تاپتی سے شروع ہو کر' جنوب میں دریائے کاویری سے گذر چکے تھے۔ ان میں سے ہر ایک صوبہ' بجائے خود ایک بڑی سلطنت تھا' اور جہاں عرصۂ دراز تک بڑی بڑی خود مختار حکومتیں قائم رہ چکی تھیں۔ ان حدودِ مملکت میں قریباً (۹۵) سرکار اور (۱۳۴۹) محال تھے۔ مجموعی آمدنی ۲۵ کروڑ کے قریب پہنچ چکی تھی۔ جس میں سات کروڑ سے زیادہ پیش کش ہائے زمینداران کی بھی رقم شامل تھی۔ اِن صوبوں کی شان شوکت اور وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف صوبۂ بیجاپور' ناصر جنگ کی تخت نشینی تک (۱۷) سرکار اور (۲۸۱) محال میں منقسم تھا' جس کی اصل آمدنی' سات کروڑ' پچاسی لاکھ تھی۔ چھوٹی چھوٹی بندرگاہوں سے محاصل میں' ستانوے ہزار وصول ہوتے تھے' اور اس صوبہ کی باج گذار ریاستیں قریباً (۵) کروڑ پچیس لاکھ اکسٹھ ہزار سالانہ' دولتِ آصفیہ کو خراج ادا کیا کرتی تھیں' اس طرح بیجاپور کے جملہ رقمی وصولات' تیرہ کروڑ گیارہ لاکھ' اٹھاون ہزار تک پہنچتے تھے' یہاں بنادر اور باج گزاروں کی تفصیل موجبِ دلچسپی ہو گی۔

(۱) بندر وابل دیسوی (جو ستارے کی مغرب میں تھا) ...... (۷) ہزار

(۲) بندر کھل .... (۰) ہزار

(۳) بندرپول (جو پوناکی مغرب میں تھا) ...... (۱۵) ہزار
(۴) بندرسنکر .... (۱۰) ہزار
(۵) اسلام بندرعرف راجہ پور (یہی پوناکی مغرب میں تھا)..... (۲۴) ہزار
(۶) بندرساستی .... (۱۰) ہزار
(۷) " کھاری پٹن .... (۵) ہزار
(۸) " بھرچری .... (۵) ہزار
(۹) " ساتونی .... (۴) ہزار
(۱۰) " محمدآبادسدہوٹ .... (۵) ہزار

جملہ آمدنی بنادر .... (۹۷) ہزار

زمینداران باج گزار

(۱) زمیندار سری رنگ پٹن .... (۳ کروڑ آٹھ لاکھ باون ہزار)
(۲) " دیگر .... (ایک کروڑ دولاکھ چونسٹھ ہزار)
(۳) " سوندھا .... (۷) لاکھ اکیس ہزار
(۴) " بیتیل درک .... (۱۱) لاکھ پچیس ہزار
(۵) " چسری .... قریباً (۵۹) لاکھ بیانوے ہزار
(۶) " ترکھیرا .... (۱) لاکھ بہتر ہزار
(۷) " رتن گری .... (۹۴) ہزار
(۸) " سرہتی .... (۷۵) ہزار
(۹) " یادگیر .... (۱) لاکھ چار ہزار
(۱۰) " مالک پالا .... (۱۵) ہزار
(۱۱) " چک پالا .... (۱) لاکھ ترانوے ہزار

(۱۲) زمیندار کورنی کیرا .... (۷۵) ہزار
(۱۳) " منوری .... (۶) ہزار
(۱۴) " ہاکل واری .... (۳۸) ہزار
(۱۵) " دیگر .... (۹۳) ہزار
(۱۶) " ہرپن ہلی .... (۱۰) لاکھ ۲۹ ہزار
(۱۷) " رانی گندی .... (۱) لاکھ ۴۷ ہزار
(۱۸) " کنکوری .... (۲) لاکھ ۲۵ ہزار
(۱۹) " کنک گیری .... (۹) لاکھ ۹۱ ہزار
(۲۰) " بلاری .... (۸۶) ہزار
(۲۱) " سکرکو .... (۳۸) ہزار

میزان وصولات خراج .... (۵) کروڑ ۲۵ لاکھ ۶۱ ہزار[1]

غرض کہ تخت نشینی کے بعد ناصر جنگ نے ہدایت محی الدین خاں مظفر جنگ کو اپنے پاس طلب کیا، جیسا کہ ہم نے آگے لکھا ہے کہ یہ متوسل خاں رستم جنگ کے بیٹے اور آصف جاہ کے بہت ہی چہیتے نواسے، اور ان کی بڑی لڑکی، خیرالنساء بیگم کے فرزند تھے۔ انہوں نے جواب میں یہ کہلا بھیجا کہ ادھونی اور رائچور کی حکومت میرے نانا نے مجھے سرفراز کی ہے، اس لیے میرے حاضر دربار رہنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس سخت جواب سے ناصر جنگ بہت رنجیدہ خاطر ہوئے چونکہ اس وقت بادشاہ دہلی کی طلبی پر وہ دلی جا رہے تھے

---

[1] تاریخ دکن سلسلۂ آصفیہ (مطبوعہ) حصۂ سوم صفحہ ۵۲۵ تا ۵۲۶۔ دربار آصف (مطبوعہ) گلزار دوم صفحہ ۱۱۵ جملی اعداد ان ہر دو کتابوں نے جس قدر لکھے ہیں۔ ان میں تفصیلات کے لحاظ سے فرق ہے۔ اس لیے ہم نے اعداد کے بیان کرنے میں تفصیلات کا اعتبار کیا ہے ۱۲

سوائے صبر و تحمل کوئی چارہ نہ دیکھا۔

ان ناموافق حالات میں، جانے نہ جانے کے متعلق شاہ نواز خاں سے بھی مشورہ کیا، انھوں نے منع کیا، اور جو جواب دیا، وہ اس وقت کی سیاست کو بڑی حد تک بے نقاب کرتا ہے: —

"فدوی بنابر ادب باطناب در نیامدہ الحال کہ حضرت، سر کلاوہ سخن وا کردند، امتثالاً للامر جولانِ قلمی لازم افتاد۔ اما صورتِ رفتنِ ہندوستان کہ مظنون اکثرے و مجزوم برخے است، بسیار بجا و بموقع، بلکہ دریں صورت ہمہ ایں اسالیب کہ قرار یافتہ، برہم می خورد۔ و بر تقدیر رفتن ظاہر است کہ بہ ایں بے اسلوبی ماندن خرابی ہا در گرو دارد، و انواع تحمل متصور است اگرچہ می گویند، از شخص تا شخص تفاوت دارد۔ حضرت ہر قسم کہ باشند، رعب و تسلط باقی است۔ غافل ازیں کہ در بودنِ دیگراں ہرچہ شود، مضائقہ نہ دارد، و در بودنِ حضرت عیاذاً باللہ اگر اندک وہمے ہم رو دہد، تا کجا می رسد لیکن فوائدِ رفتنِ حضور، برائے حضرت، بخاطرِ فاطر نمی رسد، پادشاہ وقت مستقل و صاحبِ عزم نیست کہ نوکری بالاصالہ تواند شد۔ مثلِ عالمگیر بادشاہے می باید۔ ہنگامے کہ نواب صاحب از غفران پناہ جدا شدہ رفتند، پس از روزے چند کہ دو سردار بہتر یا یکے۔ و پیش آوردہ ایں جا ایں مراتب معلوم۔ حضرت را در مرتبۂ سویم باید بود۔ اگر بسیار شد، ربطے بصد اخفا، بہ صفدر جنگ یا سادات خاں، یا اسحاق خاں، یا بہ یکے از خواجہ سرایاں بہم می رسد، و ایں ہمہ با مزاج مبارک تباین کلی دارد، و متحمل نہ خواہد شد، و خدانخواستہ امرے رو دہد، باز بہ دکن آمدن خیلے دشوار، و در بودنِ ایں جا، اگرچندے بہ طورِ دل خواہ نہ باشد، ہر وقت

ہر چند دیگرے سر بہ فلک رسانیدہ باشد، خاک پا است، بہ مجرد ایما
ہر کہ ہست مستعد رسیدنِ رکاب خواہد بود۔ ہیچ کس خود رائی تواند
جمع کرد۔ تا بہ خیالِ دیگر چہ رسد، با وصف ایں ہمہ اقبال کار ہا دارد
بہ فضلِ الٰہی بختِ خداداد حضرتِ یاور است، آں چہ بہ وہم در نیاید،
از پردۂ غیب، بہ ظہور خواہد رسید۔ فاذا عزمت فتوکل علی اللہ"[1]

ناصر جنگ کی دلّی میں طلبی

چند مورخین لکھتے ہیں کہ تاج دار مغلیہ احمد شاہ نے شاہ ابدالی کے حملے کے خوف سے، اپنی امداد و اعانت کے واسطے انہیں مخفی شقۂ خاص بھیج کر دار السلطنت طلب کیا تھا، اور جاوید خاں خواجہ سرا نے بھی ان کو لکھا تھا کہ "جس طرح ہو سکے جلد شاہ جہاں آباد پہنچیے، اس لیے کہ بہت سے کام آپ کے آنے پر منحصر ہیں"۔ بعض یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ بادشاہ نے ابو المنصور خاں وزیر سے ناراض ہو کر انہیں طلب کیا تھا۔ الغرض فرمانِ شاہی کی تعمیل میں، اس خطرے کے باوجود، جو اُن کو ہر وقت مظفر جنگ کی بغاوت سے لگا ہوا تھا، اور اگرچہ اپنی غیر موجودگی میں انھیں دیگر فتنوں کے بھی اُٹھ کھڑے ہونے کا سخت اندیشہ تھا، ان میں سے کسی کی پروا کیے بغیر اپنی آبائی اور جبلی اطاعت کیشی کی بنا پر، ستّر ہزار سوار، اور ایک لاکھ پیادوں کے ساتھ دلّی روانہ ہو گئے۔ نکلنے سے قبل قاضی محمد دائم کو ابو الخیر خاں کی جگہ فوجداری بگلانہ پر مامور کر کے، ابو الخیر خاں کو خدمت سے معزول کیا، لیکن اس کے باوجود "شمشیر بہادر" کا خطاب بخشا۔ سید شریف خاں کو شجاعت جنگ کے خطاب کے ساتھ برار کی صوبہ داری دی، اور سید لشکر خاں کو اورنگ آباد میں اپنا نائب بنایا اور مدار المہام شاہ نواز خاں کو ممالک محروسہ کے بندوبست کے لیے چھوڑا۔

---

[1] مکتوبات شاہ نواز خاں قلمی صفحہ ۳۱۹ اس خط کا عنوان ہے "عرضداشت بہ نواب ناصر جنگ در مقدمۂ عزیمتِ رفتن ہندوستان پیشِ خسرو زمان" ۱۲

ان کے عتاب میں موخرالذکر ہر دو سردار، مظفر جنگ کو نصیحت کرنے کی خاطر اتفاق کر کے نکلے، اور قلعۂ کویل کنڈہ تک پہنچے تھے کہ برسات کا موسم شروع ہو گیا، جس کی وجہ سے چار ماہ تک ان لوگوں کو یہیں رک جانا پڑا، اور خط و کتابت کے ذریعے سمجھانے منانے کی کوشش کی، لیکن اس کا نتیجہ کچھ نہ نکلا[1]۔

ادھر ناصر جنگ کوچ کرتے ہوئے، جمادی الاولیٰ ۱۱۶۲ھ میں برہان پور پہنچے یہاں والد کی برسی کے لیے پاندھار کے نالہ پر چار روز تک قیام کیا، اور پھر دلی کے طرف بڑھے۔ ۱۷۔ جمادی الاولیٰ کو دریائے نربدا کے کنارے پہنچے ہی تھے کہ بادشاہ کا دوسرا فرمان ملا، جس میں یہ حکم تھا کہ "فی الحال ادھر آنے کا ارادہ ملتوی کر دو"۔ اس لیے لوٹتے ہوئے بادشاہ کی خدمت میں ایک عرضی بھیجی، جس کا مفہوم یہ تھا کہ:-

"اس سے پہلے حضور کا شُقّۂ قدسی جس وقت پہنچا، کثرتِ افکار و مصائب اور صوبۂ دکن کے حالات نازک اور پُرخطر ہونے کے باوجود، فدوی نے اورنگ آباد سے دارالخلافہ پہنچنے کے لیے فی الفور کوچ کی تیاری شروع کر دی، اولاً ایک بڑے توپ خانے کے ساتھ، کثیر سپاہ کو سامانِ جنگ سے آراستہ کیا، اور امرا پر پہنچ کر عمالِ ریاست کو ان کے نامزدہ مقامات پر متعین کرنے کے احکام دیے پھر یہاں سے برہان پور آیا۔ تمام فوجیوں کو اضافے اور امرا و رفقاء کو مراتب عطا کر کے شرفِ ملازمت کے اشتیاق میں، کثرتِ یادوباراں، اور رستوں میں کیچڑ ہونے کے باوجود، مسلسل کوچ کرتے ہوئے، تین سو کوس کی مسافت طے کر کے ساحل نربدا تک پہنچا، اور ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۱۶۲ھ

---

[1] تحفۃ الشعراء ص ۶۶ قلمی ۱۲

کو اس کے عبور کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ حضور کے دست مبارک کا شقۂ خاص ملا، جس میں صوبہ جاتِ دکن کی تفویض اور دوسرے عطایا کی خوش خبری کے ساتھ بارگاہِ سلطانی کی ملازمت سے امتناع کا حکم درج تھا، عنایت شاہی کا شکر و سپاس، فدوئ دولت کی طاقت سے باہر ہے، افسوس کہ خانہ زادِ آستانۂ خلافت کی عتبہ بوسی کی سعادت سے جس کا افتخار نصیب ہوتے ہی کو تھا محروم رہا۔ اس وقت فرمانِ اقدس کی تعمیل میں فدوی لوٹ تو رہا ہے، لیکن توقع ہے کہ آئندہ کسی قریبی موقع پر، ضرور بارگاہِ مبارک کی شرف حضوری میسر ہوگی"۔[1]

عرض داشت روانہ کرنے کے بعد، ناصر جنگ نے اورنگ آباد کا رُخ کیا، بارش کی کثرت، اور دریائے تاپتی کے چڑھاؤ کے باعث اس سے بہ مشکلِ تمام عبور ہو سکا عین شدتِ باراں میں شہر اورنگ آباد میں داخل ہوئے، اور برسات کے ختم تک، یہیں قیام رہا۔ اس اثناء میں انہیں اپنے بھانجے مظفر جنگ کی بغاوت کی پیہم خبریں ملنے لگیں۔

اس موقع پر راحت افزا کا بیان ہی کچھ اور ہے، اس کا مؤلف کہتا ہے کہ ۱۱۶۲ھ میں ناصر جنگ، نظامتِ دکن کی سند اور اجازت نہ ملنے سے، دلی کے ارادے سے نکلے، جب نربدا پہنچے تو اس وقت شاہِ دہلی کو ان کے دربار شاہی آنے کے ارادے کی اطلاع ملی، حکم بھیجا کہ :-

"آمد آمد آں فرزندِ عزیز بے طلبِ حضور چہ وجہ خواہد بود، اگر منظور

---

[1] اصل عرضی حدیقۃ العالم صفحہ ۱۷۶ پر درج ہے ۱۲

از حصولِ سند است، ہماں جا فرستادہ می شود، دریں صورت آمدن بہ حضور در ملکِ دکھن فسا درو خواہد نمود"۔ [1]

ناصر جنگ کے مقابلہ میں مظفر جنگ کی وجہ بغاوت

جیسا کہ ہم نے قبل لکھا ہے، مظفر جنگ آصف جاہ کی بڑی صاحب زادی خیر النسا بیگم کے بیٹے تھے۔ جن سے نواب مغفرت مآب کو بے حد محبت تھی اور ہمیشہ ان ہی کے پاس رہا کرتے۔ نواب صاحب کے انتقال کے بعد ان کی اس بے انتہا محبت کے باعث یہ خبر مشہور ہو گئی تھی کہ حضور نے مرتے وقت مال و دولت اور ریاست کا بہت بڑا حصّہ انہیں دینے کے لیے وصیت کی ہے، اس کے سوا خود ہدایت محی الدین خاں بھی اس بات کے دعویٰ دار تھے کہ مجھے بادشاہ دہلی نے مظفر جنگ کا خطاب عطا کر کے صوبہ جات دکن کی سند بخشی، اور نانا نے بھی مجھ ہی کو اپنا جانشین قرار دیا ہے۔ اس لیے دکن کی صوبہ داری کا مجھ سے زیادہ کوئی اور مستحق نہیں۔

اس بیان میں صرف اس قدر حقیقت ضرور ہے کہ آصف جاہ انہیں بے انتہا چاہتے تھے، اور دمِ مرگ جو نصیحتیں کی تھیں، ان میں سے ایک وصیت میں، ہدایت محی الدین خاں کے ساتھ بہ طورِ خاص شفقت و عنایت کے لیے تاکید بھی فرمائی ہے، چناں چہ ان کی زبان سے جو الفاظ نکلے وہ یہ ہیں:—

"برادرانِ صغیر خود را بہ جائے فرزندانِ خود، دانستہ پرورش نمایند، و در تربیت آں ہا سعیٔ بلیغ فرمایند، و افزونیٔ قدر و منزلت و مراتب کوشش موفور بہ عمل آرند، و شفقت و تلطف دربارۂ ایں ہا بہ درجۂ مبذول دارند کہ ایں ہا غم خوار باشند، و از دل دانند کہ ایں ہا قوتِ بازو

---

[1] تاریخ راحت افزا قلمی صفحہ ۸۴ و ۸۵ - ۱۲

وتقویتِ ناموس اند۔ ہرگاہ مرفہ الحال خواہند بود، ہرگز زوال نہ خواہند
و وقتے کہ گرسنہ ومفلس باشند، سلطنتِ آصفیہ را بہ فساد وفتنہ، قطع قطع
زمین خواہند فروخت "۔

" و ہدایت محی الدین خاں را از جملہ فرزندانِ خود تصور فرمودہ بہ شفقت
وعنایت، ازآنِ خود تصور فرمودہ، بہ شفقت وعنایت ازآنِ خود
گرداند، و درصددِ شکست نباشد[1]۔"

تاریخ فتحیہ میں یہ سبب لکھا ہے کہ بادشاہ کی طرف سے آصف جاہ کی وفات کے بعد، جو، جواہر ماتمی ان کے اعزہ کے نام فرداً فرداً وصول ہوئے تھے، ان میں سے ناصر جنگ نے، مظفر جنگ کے ہی جواہر اُن کے پاس نہیں بھیجے، یہی واقعہ مظفر جنگ کے لیے ماموں کی طرف سے بڑے واہمے اور بدگمانی کا سبب بن گیا[2]۔

کچھ آگے چل کر تفصیلات میں یہ بیان کرتا ہے کہ، ناصر جنگ، مظفر جنگ کے رُتبے کے لائق سلوک بھی نہیں کیا کرتے تھے، چونکہ طرفین میں سُوئے مزاجی تھی، اس لیے اس میں شدت پیدا ہوگئی۔ بیجاپور میں بہت سے مفسد اور سرکش زمیندار تھے، اس لیے مظفر جنگ کو بیجاپور کے نظم ونسق کے لیے بہت سی فوج جمع کرنی پڑی۔ اس اثناء میں، ترسوں محمد خاں نامی ایک شخص، ناصر جنگ کی طرف سے خلعت چہلپارچہ

---

[1] منشاٰتِ موسوی خاں کے ایک قلمی نسخہ کے حاشیہ پر، مظفر جنگ کی نسبت وصیت کے جو الفاظ لکھے ہیں، وہ اس سے کچھ مختلف ہیں، لیکن مفہوم ہر دو کا ایک ہی ہے۔" وہدایت محی الدین خاں کہ اصل بازوست، بفرطِ التفات ازآنِ خود سازند، و درصددِ شکستِ او نہ باشند واز اقربا انتقام نہ جویند"۔ ۱۲

[2] فتحیہ کا مؤلف، مظفر جنگ کا طرف دار، اور ان کے ساتھ ان معرکوں میں شریک رہا ہے، اکثر وبیشتر مقامات پر، مظفر جنگ کی جانب داری کی کوشش کی ہے، جسے ہم "سوانح مظفر جنگ" میں بہ تفصیل بیان کریں گے ۱۲

اور خنجر مرصع اس عنوان سے لے کر پہنچا کہ یہ تحائف بادشاہ دہلی کے پاس سے آپ کے لیے آئے ہیں۔

یوسف محمد خاں (مولفِ فتحیہ) اس موقع پر ایک عجیب بدگمانی کا اظہار کرتا ہے، جو کسی طرح باور نہیں آتی۔ کہتا ہے کہ یہ خلعت و خنجر ناصر جنگ کے یہاں سے تبدیل ہو کر آئے تھے، چوں کہ یہ تعزیتاً بھیجے گئے تھے، اس لیے اس کا استقبال نہیں کیا گیا۔ جو زبانی پیام کہ ترسوں محمد خاں نے پہنچایا، اس پر بھی توہمات کی وجہ سے .... مظفر جنگ کو قطعاً یقین نہ آیا۔[1]

حاصل یہ کہ ان حالات کی بنا پر، مظفر جنگ نے، ناصر جنگ کے مقابلے میں علانیہ بغاوت شروع کر دی، انور نامے میں لکھا ہے کہ ۱۱۶۲ھ میں اولاً انھوں نے ملک ادونی میں، اور پھر چیتل درگ اور قلعۂ سنت بدنور کے علاقوں میں شورش برپا کر دی اور چاہا کہ ؎

"کند رخنہ، در خاندانِ کہن — بجایش شود خود، خدیو دکن
باجماعِ فوج و پے حفظِ راز — برآں قلعہ کردہ، درِ فتنہ باز"

اور بعضوں کا بیان ہے کہ وہ (۲۵) ہزار کی فوج جمع کر کے نواحِ گول کنڈہ میں، وقت اور ناصر جنگ پر حملے کے منتظر رہے۔[2]

---

[1] تاریخ فتحیہ ص۷۶ قلمی (کتب خانہ دفتر دیوانی مال و ملکی سرکار عالی) ۱۲

[2] مظفر جنگ اور ناصر جنگ کی معرکہ آرائی سے متعلق مولانا نظام الدین احمد صغیر نائطی ابن محمد عبداللہ صدر ارکاٹ نے عربی زبان میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "وقایع نہفتہ امیر الامرا نظام الدولہ ناصر جنگ و مجبیہ الدفع فساد المظفر الطاغی فی الدیار التلنگ" ہے۔ لیکن حکیم مظفر حسین صاحب نے اس کا نام "فتح نامۂ ارکاٹ" لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے اس کا ایک نسخہ ان کے کتب خانہ میں موجود ہے (مضمون مطبوعہ بہ سالگرہ نمبر اخبار صبح دکن حیدرآباد بابت ۱۳۵۳ھ) مؤلفِ کتاب کے حالات تاریخ النوائط مطبوعہ عزیز المطابع حیدرآباد ۱۳۲۲ھ ص۵۲۲ دیکھیے ۱۲

عام تاریخوں سے ہٹ کر صاحب حدیقۃ العالم نے مظفر جنگ کی بغاوت کی وجہ اِن الفاظ میں لکھی ہے :—

"نواب ناصر جنگ .... در ماہِ شوال از اورنگ آباد' بر آمدہ' باہفتاد ہزار سوار جرار و توپ خانہ' بے شمار' و یک لک پیادہ بعزمِ تنبیہ باغیاں متوجہ شدند' و بہ کوچ ہائے متواتر' در فرصتِ قلیل قریب ادھونی (ادونی) ورائچور' رسیدند' دریں اثنا ر معذرت نامہ جات مظفر جنگ متضمن ایں کہ آں چہ زرِ واجبی از دیگراں بہ سرکار واصل می گردد' ازیں جانب گرفتہ' ہم چو مردمِ دیگر' عامل تصور فرمایند' و دست از مناعت برداند .نواب ناصر جنگ در جواب آں' زبانِ خود را بجز الفاظ تہدید وحرف ہائے خشونت آشنا ساختہ' ...... لا علاج مظفر جنگ آمادۂ پیکار گشتہ"[1]

لیکن اس بیان کی دوسرے ہم عصر مؤرخوں سے تائید نہیں ملتی ۔

چندا صاحب کا مظفر جنگ کو بغاوت پر اُکسانا۔ اِس کی رفاقت اور اُس کے حالات

حملے سے قبل مظفر جنگ کے ان ارادوں کو سُن کر' ایک شخص ان کی مدد کے لیے اُٹھا' جس کا نام حسین دوست خاں تھا' جو جنوبی ہند کی تاریخ میں "چندا صاحب" کے نام سے بے حد معروف ہے۔ یہ سعادت اللہ خاں کا پوتا' اور دوست علی خاں حاکم کرناٹک کا داماد تھا۔ ڈوپلے سے پہلے فرانسیسیوں کا جو گورنر "دیوما" تھا' اسی نے ابتداءً چندا صاحب کے خسر دوست علی خاں سے روابط پیدا کیے تھے' اور خود یہ بھی اپنے خسر سے دوستانہ مراسم کے باعث' فرانسیسیوں سے

[1] حدیقۃ العالم مقالۂ دوم صفحہ ۱۷۸ مطبوعہ ۔

راہ و رسم رکھتا تھا، چوں کہ چندا صاحب ایک حریص، چالاک اور سازشی آدمی تھا اس لیے اس کو رہ رہ کر یہ ہوس ستاتی تھی کہ دوست علی کے بعد اس کے بیٹے صفدر علی کی بجائے ارکاٹ کی نوابی اُسے ملے۔ اس ناواجبی تمنا کی تکمیل کے واسطے وہ طرح طرح کے منصوبے اور ڈھنگ سوچا کرتا تھا۔ انگریز مؤرخین تو اس کو شجاع جنگ جو اور اولوالعزم کہتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ترچناپلی تجور[1] اور مدورا کی قدیم سلطنت کو اس کے فتح کرنے کا مقصد، اپنے لیے دوست علی خاں کے بعد حکومت کا نقشہ جمانا تھا لیکن اس کی ان فتوحات سے، ہندوؤں کی اس وقت کی بڑی حکومت یعنی مرہٹے اس کے خلاف ہوگئے، اور ان لوگوں نے ۱۱۵۴ھ میں دوست علی نواب کرناٹک پر حملہ کر دیا، جس میں یہ نواب مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا، تو اس کے لڑکے صفدر علی نے مرہٹوں سے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ چندا صاحب کو حدودِ ارکاٹ سے نکالنے میں اس کی مدد کریں، جس کی بنا پر کہتے ہیں کہ مرہٹوں نے ترچناپلی کے مقام پر چندا صاحب کو دھوکے سے گھیر لیا، اور اُسے گرفتار کر کے ستارا لے گئے، اور سات[2] سال تک اپنے پاس محبوس رکھا۔

مقدرات سے ناواقف، بظاہر صفدر علی اپنے بہنوئی چندا صاحب کو مرہٹوں کے ہاتھوں گرفتار کرا کے مطمئن ہوگیا، اور سمجھتا رہا کہ اب کسی دشمن کا خدشہ نہیں لیکن اس کی توقع کے خلاف، وقت کا منتظر ایک اور دشمنِ جاں چھپا تھا، چناں چہ جیسے ہی موقع ملا، اس کے سالے مرتضیٰ علی نے اس کو غالباً ۱۱۵۶ھ میں قتل کر دیا اور خود نواب ارکاٹ بن بیٹھا۔ چوں کہ جنوبی ہند کا علاقہ اور ارکاٹ کے صوبہ دار سلطنتِ آصفیہ

---

[1] دیکھو اس سلسلہ میں ناصر جنگ کا فرمان ص۲۶ کتاب ہذا ۱۲

[2] انور نامہ و توزک والاجاہی میں ۱۳ سال مدتِ قید لکھی ہے اور ہنری ڈاڈول کتاب ڈیوپلے اور کلائیو میں (۸) سال لکھتا ہے ۱۲

کے تحت تھے' اور کوئی شخص رئیس دکن کی منظوری و تقرر کے بغیر صوبہ دار یا حاکم نہیں بن سکتا تھا' جب نظام الملک آصف جاہِ اول کو یہاں کے ابتر حالات اور مرتضیٰ علی کی غداری و نمک حرامی کی اطلاع ملی تو غالباً انھوں نے اس کی سرکوبی کے لیے فوج روانہ کی' اور کرناٹک کی اِن شورشوں کے وقت وہ دلی میں سلطنتِ مغلیہ کے خدمات میں سخت منہمک تھے' اس وجہ سے ادھر متوجہ ہونے کا موقع نہ ملا۔ جب تھوڑے تھوڑے عرصہ سے پے در پے' کرناٹک کے یہ نواب مارے گئے' اور حالات نے مجبور کر دیا' تو اس طرف کا رُخ کیا[1]۔ اس خبر کے سنتے ہی مرتضیٰ علی خوف کے مارے ارکاٹ چھوڑ کر ولور بھاگ آیا۔ ایک عرصہ سے ارکاٹ کی نوابی موروثی چلی آرہی تھی اس لیے مرحوم صفدر علی کے کم سن بیٹے کو آصف جاہ نے نواب ارکاٹ مقرر کیا۔ اور اس کی کم عمری کی وجہ سے اپنے دربار کے ایک امیر' انورالدین خاں شہامت جنگ گوپاموی کو اتالیق' اور نظم و نسق کا ذمہ دار گردانا۔ چوں کہ ارکاٹ کی سرزمین پر سازشوں کے سیلاب رواں تھے' یہ کم سن نواب بھی کسی نہ کسی طرح قتل کرا دیا گیا۔ اس واقعے کی نسبت ہنری ڈاڈول کی تاریخ میں لکھا ہے کہ اس میں انورالدین خاں اور مرتضیٰ علی خاں کی شرکت کا شبہ کیا جاتا تھا' اور بازاروں میں ان لوگوں کے متعلق افواہیں گشت لگا رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ یہ بھی شہرت تھی کہ عن قریب انورالدین خاں ہٹا دیے جائیں گے اور نواب نظام الملک کرناٹک کے لیے بھی وہی مضر قاعدہ جاری فرمائینگے۔ جس کے ذریعے سب سے زیادہ رقم دینے والے کے نام ملک کا ٹھیکہ دیا جاتا تھا' جس کو وہ دکن میں شایع کر چکے تھے[2]۔

---

[1] دیکھو ضمیمہ حاشیہ صفحہ ۱۸۵

[2] ڈیو پلے اور کلائیو صفحہ ۴۱ ۱۲

غرض آصف جاہ نے جب اس خاندان کی اس مسلسل خباثت اور سازشوں کو معائنہ فرمایا، اور یہ محسوس کیا کہ وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے چلے جا رہے ہیں تو انہوں نے یہاں کی نوابی کو اس خاندان میں رکھنا ہی مناسب نہ سمجھا اور ان کے موروثی حق کو زائل کر کے کلیتہً ۱۱۵۵ھ میں ارکاٹ کی صوبہ داری و نوابی انوالدین خاں کے سپرد کردی[1]۔

انورالدین خاں کی نوابی ارکاٹ کا واقعہ

تحفۃ الشعراء سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت نظام الملک نے پہلے پہل انورالدین خاں سے قبل اپنے ندماء میں سے ایک بہترین شخص مسمی عبداللہ خاں کو یہاں کا فوج دار مقرر فرمایا تھا۔ یہ شخص اس سرفرازی کے بعد آصف جاہ کے ارکاٹ سے روانہ ہونے کے وقت، قلعۂ گنجی کوٹہ تک رکاب میں ساتھ آیا، یہاں اس کو انھوں نے علم و نقارہ عطا کر کے متفرو واپس جانے کی اجازت دی، لیکن اس کے دوسرے ہی دن عبداللہ خاں یکایک[2] مرگیا۔ تو پھر اس خدمت کے لیے ایک جدید تقرر کی ضرورت پیش آئی۔ ایک دن نواب نظام الملک دربار میں بیٹھے تھے، اور ارکاٹ کے حالات پر بحث و تبصرہ ہو رہا تھا جس میں یہاں کے آئندہ انتظام کا بھی تذکرہ نکل آیا تو حاضرین کو ارشاد ہوا کہ وہ غور کر کے خالیہ عہدے کے لیے کسی موزوں شخص کا

---

[1] جنوبی ہند کے ان حالات کو دیکھ کر، ہندوستان کی نو وارد مغربی قوموں کو حکومت کی بدنظمی اور ضعف کا صریح احساس ہوتا جاتا تھا، اور انندا چاری پلے کی تو پیشین گوئی تھی کہ نواب نظام الملک کے بعد تمام جنوبی ہندوستان کا نظم و نسق درہم برہم ہو جائیگا (ڈوپلے اور کلائیو صا۴ بحوالہ مراسلہ عام موسومۂ انگلستان مورخہ ۳۱ جنوری ۱۷۴۶ء و روزنامچہ انندا رنگا پلے جلد (۵) صفحہ (۴۱)

[2] اس کے مرنے کی تاریخ سد ھاری لعل منشی نے یہ لکھی ہے بہ پرسیدم ز ہاتف سال این نقارہ و رحلت بگفت ازمن چہ می پرسی بگو "نقارۂ آخر"۔ ۱۱۵۷ھ توزک والاجاہی میں اس کے وفات کی تفصیل دیکھئے ورق ۲۹ ب

نام پیش کریں۔ یہ سنتے ہی انوارالدین خاں جو اس وقت اہلِ دربار میں شامل اور بیٹھے ہوئے تھے، جرأت وشوخی کو کام میں لا کر کہا کہ

"من شخص خوب را تجویز کردہ ام کہ برائے ایں کار بہتر از وکسے دیگر نیست
خدا بندہ خاں دیوان و دیگر امرا پرسید ند کہ اُو کیست۔ گفت
انوارالدین خاں است" آں ہا تبسمے کردہ گفتند بسیار خوب چناں چہ
تجویز نام انوارالدین خاں بہادر بہ عطائے خلعت فوجداری ارکاٹ
سرفرازی یافتہ، شرفِ دستوری حاصل ساختہ"[1]

چندا صاحب کے بقیہ حالات الحاصل کچھ اس بری طرح چندا صاحب کو ارکاٹ کی نوابی کی ہوس گھیری تھی کہ مرہٹوں کی قید میں بھی اس کی یہ آرزو نہ مٹ سکی، وہ آفت کا پرکالہ تھا، اس کو اِن واقعات کی اطلاع ملتی تھی، اور بے چین ہو جاتا تھا۔ انوارالدین خاں کے حاکم ہو جانے سے تو اس کے دل میں آگ لگ گئی۔ اس نے قید سے رہائی پانے کے لیے بڑی تدبیریں کیں، اور رشوت سے کام لیتا رہا۔ بالآخر اس کوشش کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک دن موقع پا کر مرہٹوں کی قید سے چھوٹ کر ستارہ سے بھاگ نکلا۔

اس واقعے کی نسبت بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ آخر زمانے میں ڈیوپلے کا ادعا تھا کہ اس نے چندا صاحب کو مرہٹوں کی قید سے ایک بھاری تاوان دے کر چھڑا لیا ہے، لیکن ایم کلٹرو کی یہ رائے ہے کہ اس کی رہائی ۱۷۴۸ء میں ہوئی جس میں فرانسیسیوں کو کوئی دخل نہیں ہے[2]۔ اور ہنری ڈاڈول لکھتا ہے کہ چندا صاحب کو قید سے چھڑانے کے لیے ڈیوپلے نے اس کے ایک رشتہ دار سے جو وندیواش (وندواسی) کا قلعہ دار تھا، ایک لاکھ روپے قرض لینے کی کوشش کی، لیکن یہ رقم مہیا نہ ہو سکی،

[1] تذکرۂ تحفۃ الشعراء قلمی ص۵۔ توزک والاجاہی میں بھی اس قبل کا کچھ اختلاف کیساتھ یہی واقعہ درج ہے ورق ۴۳
[2] ڈیوپلے اور کلائیو ص۴۲ بحوالہ کلٹرو کی کتاب ڈوپلے ص۳۲ ۱۲

دوستی اور سیاسی منصوبوں کے باوجود خود ڈوپلے نے رہائی کے لیے کوئی رقم نہیں دی بلکہ انندا رنگا پلے کے بیان کے موجب چندا صاحب کے پاس روپیوں کے بدلے پانڈیچری سے جواہرات بھیجے گئے تھے، جو غالباً اس کی بیوی کے تھے کیونکہ چندا صاحب کی بیوی اور اس کے لڑکے ایک عرصۂ دراز سے پانڈیچری میں مقیم تھے۔ مرہٹوں نے اور شرائط کے ساتھ، رہائی کا جو معاوضہ طلب کیا تھا، وہ دو کروڑ دس لاکھ نقد تھا[1]۔

غرض رہائی کے بعد اس نے بڑے شد و مد کے ساتھ پھر اپنی حکومت کی سعی شروع کردی، ابتداءً ان منصوبوں ہی میں تھا کہ فرانسیسیوں کی اعانت سے انورالدین خاں سے حکومت چھین لینی چاہیے اس کو آصف جاہ کے انتقال، ناصر جنگ کی تخت نشینی کی اطلاع ملی، اور ساتھ ساتھ مظفر جنگ کی بغاوت اور ماموں سے مقابلہ کے ارادوں کا بھی علم ہوا، تو اس نے سوچا کہ ارکاٹ کی صوبہ داری حکم رانان دکن کے بغیر مل سکتی ہے، اور نہ مسلم ہو سکتی ہے، اگر بہ ہزار دقت انورالدین خاں کو ہٹا کر اس پر قبضہ کر بھی لیا جائے تو ایک بڑی طاقت سے (جس سے اُس کے لیے مقابلہ کرنا آسان نہ تھا) خوف زدہ ہو رہا تھا، یعنی ناصر جنگ کی فوج کشی کا ڈر لگا تھا۔ اس کے سوا یہ توقع بھی نہ تھی کہ شہامت جنگ کو ہٹا کر اُسے ارکاٹ کا صوبہ دار بنا دیا جائیگا، اسی لیے اس نے موقع کو غنیمت سمجھ کر ناصر جنگ کے دشمن اور مقابلہ پر اُترنے والے شخص (مظفر جنگ) کا ساتھ دینا مناسب سمجھا کیوں کہ اگر ان کو کامیابی ہو جائے تو اس کو امید تھی کہ مراعات اور اضافوں کے ساتھ، یقیناً ارکاٹ کی حکومت اُسے مل ہی جائیگی، چنانچہ اُس نے اسی نیت سے ایک عرضی بھیجی،

---

[1] دوپلے اور کلائیو ص ۴۶ بحوالہ روزنامچہ انندا رنگا پلے جلد ۴ صفحہ (۱۲۴) ۱۲

جس میں اولاً مظفر جنگ کو دکن کی حکومت کا حق دار ثابت کیا گیا تھا، اور پھر اپنا اثر جمانے کے لیے بڑی گرم جوشی ظاہر کر کے رائے دی تھی کہ گولکنڈہ میں ٹھہر کر فوج مہیا کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ لوگ ناصر جنگ کے خوف سے شریک نہ ہونگے اور وہاں قیام میں کامیابی کی بھی کوئی صورت نہیں ہے، اس لیے بہتر ہوگا کہ موجودہ فوج کو لے کر، کرناٹک کی طرف چلیں اور انورالدین خاں کو شکست دے کر ارکاٹ پر قبضہ جمائیں اور اس کے بعد جنوبی ہند کے دوسرے علاقوں کی طرف پیش قدمی کریں تاکہ ان حملوں کی بدولت زر و پیہ اور فوج بہ کثرت ہاتھ لگے، اور اس تازہ قوت کے ساتھ ناصر جنگ کے استیصال کے لیے بڑھیں تو یقین ہے کہ کامیابی ہمیں ہی نصیب ہوگی۔ چندا صاحب نے ان تدابیر کو پیش کر کے، مظفر جنگ سے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ وہ ان سارے مہمات میں ان کا شریک حال رہیگا، اور اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہانے سے دریغ نہ کرے گا نیز اس مہم میں پانڈیچیری کے فرانسیسی بھی شامل ہونگے، جن کے پاس بہترین توپخانہ اور اعلیٰ درجہ کا سامانِ جنگ موجود ہے، اور جن کو اس نے ہموار کر لیا ہے۔

چونکہ آئندہ ناصر جنگ کے عہد کے سارے واقعات میں فرانسیسی اور انگریز دونوں شامل رہے ہیں، اور خود ان دونوں قوموں کے باہمی تعلقات کے لحاظ سے مختلف حالات وقتاً بعد وقتٍ رونما ہوئے ہیں، اس لیے جب تک ہندوستان میں ان مغربی اقوام کی آمد سے متعلق، بطور "پس منظر" تھوڑی سی واضح تفصیل بیان کر دی نہ جائے، اس وقت تک اس دَور کی تاریخ سمجھ میں نہ آسکے گی۔ اسی لیے ایک نوٹ پیش ہے۔

---

[1] واضح رہے کہ اس وقت تک شاہانِ آصفی کی سلطنت دکن کا دارالخلافہ شہر اورنگ آباد تھا۔ گولکنڈہ سے متصل بلدہ حیدرآباد بعد میں دارالسلطنت بنا ہے ۱۲

جنوبی ہند میں مغربی اقوام کی آمد

اس کا سبب یہ ہے کہ، ایک عرصے سے ہندوستان کی دولت و ثروت کے افسانے، دنیا کی ساری بیدار قوموں کو تحریص و ترغیب دلاتے تھے۔ ان بیرونی اقوام میں سب سے قدیم عرب تھے، جو ہند کے ساحلی علاقوں پر تجارت کرتے چلے آرہے تھے، چونکہ یوروپی ممالک میں اسپین (اندلس) پر ایک عرصۂ دراز تک ان عربوں کا لوائے حکومت بلند رہا، اس لیے بالعموم ان کے جہاز بحرِ ہند سے لے کر کے بحرِ روم کے آخری گوشہ تک پہنچا کرتے اور بہ سلسلۂ تجارت جب اپنے ان اسلامی ممالک کے باشندوں اور دوسری مغربی ہمسایہ قوموں سے ان کا میل ملاپ ہوتا تھا، تو یہ لوگ ہندوستان کے واقعات اور اس کی دولت کے افسانے سنایا کرتے، جن کو سُن سُن کر ان کے مُنہ میں پانی بھر آتا تھا، اندلس کی اسلامی سلطنت کی بدولت، اور عربوں کے علوم و فنون نے، اسپین اور اُس کے قرب و جوار میں رہنے والوں کو کافی بیدار کر دیا تھا۔ اس لیے جب یہاں ان کو زوال ہو، اور ان کی حکومت اُٹھ گئی، تو ہندوستان کی ثروت کی شہرت نے جس کو وہ ایک عرصہ سے سنتے چلے آرہے تھے شوق دلایا کہ وہ بھی ہند پہنچیں، اور تجارت شروع کریں۔

اگرچہ بہ راہِ خشکی ہندوستان سے تجارت کے رستے کھُلے تھے مگر یہ نہایت کٹھن، اور صبر آزما مدّت کے طالب تھے۔ اسی لیے تجارتی سہولت کی خاطر، اندلس کی ہم سایہ قوم یعنی پرتگالیوں نے اس بات کا بیڑا، اُٹھایا کہ اولاً ان کو ہندوستان و دیگر مشرقی ممالک کے بحری رستے دریافت کرنے چاہئیں، چونکہ عربوں سے ان لوگوں نے بہت سے علم و فن کے ساتھ ساتھ جہاز رانی و جہاز سازی سیکھ لی تھی، اور ان دنوں اُس فن کی ترقی دینے کا نیا نیا شوق یہاں کے

باشندوں اور حکمرانوں میں پھیلا ہوا تھا، جس کی وجہ سے بڑے بڑے سہولت بخش جہاز تیار ہو گئے، جن کو لے کر یہ لوگ چاروں طرف سمندروں میں نئے نئے مقامات معلوم کرنے کی دُھن میں نکل گئے۔ چنانچہ ان میں جس نے شہرت حاصل کی وہ "واسکو دی گاما" ہے، جو امریکہ دریافت کرنے کے لیے نکلا تھا، مگر بادِ قسمت نے اُسے بحرِ ہند کے ساحل ملیبار پر مئی ۱۴۹۸ء میں پہنچا دیا۔ اس وقت دلی کا تاج، سلطان سکندر لودھی کے زیبِ سر تھا، اور دکن، محمود شاہ بہمنی دوم کے زیرِ نگیں۔ جس کے تحت چار اسلامی سلطنتیں قائم تھیں، جن میں بیدر کی حکومت پر قاسم برید متمکن تھا، اور برار کا علاقہ فتح اللہ عماد الملک کے زیرِ اقتدار تھا، البتہ ابھی قطب شاہیہ حکومت عالمِ وجود میں نہیں آئی تھی۔

اس طرح جب ہندوستان کے بحری اور قریبی رستے کا پرتگالیوں کو علم ہو گیا تو اِن لوگوں نے ساحلی عرب تجار سے چند دن مقابلہ کرنے کے بعد ان کو یہاں سے بے دخل کر دیا، اور خود بلا شرکتِ غیرے قریباً ساٹھ ستر برس تک ہندوستان سے کثیر دولت سمیٹی یہاں کے حکمران اس وقت اس قدر طاقت ور تھے کہ انہیں سواحلِ ہند پر سوائے تجارت کے کہیں بھی قبضہ جمانے کی جرأت نہ ہو سکی۔ یورپ کی دوسری ہم سایہ قوموں کو جب پرتگیزوں کی دولتمندی کی اطلاعیں ملنے لگیں تو انہیں بھی ہندوستان پہنچنے کی حرص نے گھیرا۔ یہ لوگ جس وقت اُٹھے، اس وقت تک پرتگیزوں کو زوال آ چکا تھا، اور ان کی جگہ ہالینڈ والے عروج پکڑ رہے تھے جنھیں اہلِ ہند ولندیزی کہتے ہیں۔ یہ لوگ پرتگیزوں کی طرح سارے بحری رستوں سے واقف ہو گئے اور ان کے بعد ان پر قبضہ بھی کر لیا اور ہندوستان سے تجارت بھی شروع کر دی، اور ایسی قوت حاصل کی کہ اس وقت کی کوئی اور قوم ان کی ہم سَر نہ تھی۔ ہندوستان کے ساحل پر انھوں نے بڑی خوبی

اور حسن انتظام سے تجارت آغاز کی، صرف اپنے تجارتی مقامات کو قلعہ نما کوٹھیوں میں تبدیل نہیں کیا، بلکہ فوج بھی رکھنی شروع کی۔ ابتدا ہی سے یہ ولندیزی، ہندوستان اور مشرقی علاقوں پر قابض ہونے کا ارادہ رکھتے تھے، لیکن مغلیہ سلطنت، اور دکن کی دیگر ہندوستانی...... حکومتیں اس قدر طاقتور تھیں کہ جزائر شرق الہند کے سوا کہیں اور قبضہ نہ جا سکے۔

ولندیزیوں کے ساتھ ساتھ انگریزوں کے بھی قدم ہندوستان پہنچے۔ لیکن ایک زمانۂ دراز تک ان لوگوں کو ہندوستان میں حکومت جمانے کا خیال پیدا نہ ہوا، بلکہ نہایت خاموشی سے تجارت کرتے رہے۔ سب سے پہلی دفعہ ان کو جہانگیر کے ابتدائی دور میں سر طامس رو سفیر انگلستان کی بدولت بمقام سورت ۱۶۱۲ء / ۱۰۲۱ھ میں کوٹھی بنانے کی اجازت اور جگہ ملی اور سو سال سے بھی زیادہ عرصے تک یہی مقام ان کا سب سے بڑا مستقر رہا، لیکن بعد کو بندرگاہ سورت کے خراب ہو جانے کی وجہ سے جزیرہ بمبئی کو ان لوگوں نے اپنا صدر مقام بنایا...... جس کے متعلق انگریزی تاریخیں لکھتی ہیں کہ شاہ انگلستان کو اپنی پرتگالی بیوی کے جہیز میں ملا تھا۔ انگریز ابتدا میں اپنی کوٹھیوں کو قلعہ نما بناتے اور نہ فوج ہی متعین رکھتے تھے۔ جب سیواجی کے آدمیوں نے دو دفعہ شہر سورت کو لوٹا، اگرچہ انگریزی کوٹھی سلامت رہی، لیکن اس حادثہ سے ڈر کر، احتیاطاً انھوں نے اپنے تجارتی مقامات کو قلعوں کی صورت میں تبدیل کرنا شروع کر دیا، اور یہیں سے ان کے فوجی رجحانات کی ابتدا ہوتی ہے اس وقت تک بھی یہ لوگ صرف مدراس، بمبئی اور کلکتہ میں کوٹھیاں قائم کر کے تجارت ہی کرتے رہے، اور ہندوستان کے سیاسی معاملات سے کوئی تعلق پیدا نہیں کیا۔

اپنی ساتھی قوموں کو دیکھ کر سب سے آخر پر، فرانسیسیوں کا بھی ہندوستان پہنچنے اور تجارت کرنے کو جی للچایا، چناں چہ سترہویں صدی عیسوی کے آغاز پر مشرقی ممالک اور ہندوستان کی طرف ان کے تجارتی جہازوں نے آمد و رفت شروع کردی، بالآخر سنہ ۱۶۶۴ء میں فرانسیسی سفراء نے کوشش کرکے سورت اور مچھلی پٹم کے حاکموں سے اپنے لیے تجارتی رعایتیں حاصل کرلیں، یہ لوگ انگریزوں اور دیگر مغربی قوموں کی نسبت بہت زیادہ چالاک اور تیز تھے، اپنے قدم جمتے ہی انھوں نے بڑی سرعت سے ہندوستان میں مقبوضات حاصل کرنے کی فکر کی ابتدا میں صوبہ دار بیجاپور سے ایک حصۂ زمین خرید کرکے، وہاں اپنی کوٹھی اور ایک بستی بسائی، جس کا نام "پانڈیچری" ہوا، اور پھر کوشش مزید سے سنہ ۱۷۲۵ء میں ملیبار کے ساحل پر مقام "ماہی" بھی حاصل کرلیا۔ "ڈیوما" جب ان کا گورنر بنا تو اس نے فرانسیسیوں کو، ساتھ تجارت کرنے والی قوموں سے ممتاز بنانے میں بڑی قوت صرف کی، اور سرعت کے ساتھ اپنے معاملات کو ترقی دینے کے لیے ہندوستانی رؤسا سے تعلقات پیدا کرنے شروع کیے، جس میں اُس نے بڑی حد تک کامیابی حاصل کی اس طرح فرانسیسیوں کا عروج شروع ہوا۔ ڈیوما کے بعد "ڈوپلے" نے اپنے لیے اور اپنی قوم کو ترقی پر پہنچانے کے لیے بڑی بڑی تدبیریں اور سازشیں کیں۔

فرانسیسیوں کی اس روش سے انگریز متاثر ہوئے، اور دونوں قوموں میں چشمک و رقابت پیدا ہوگئی، دونوں کے ان ہی جذبات نے جنوبی ہند کی تاریخ اور واقعات پر بڑا اثر ڈالا، اس لیے ان کا ایک ہلکا سا خاکہ یہاں پیش کرنا ضروری ہے۔

انگریزوں اور فرانسیسیوں کی عداوتِ باہمی کے اسباب و واقعات

ان واقعات کا سُراغ اس وقت سے ملتا ہے جب کہ ۱۷۴۴ء میں فرانس اعلانِ جنگ کرنے والا تھا۔ جس کی بناء پر انگریزوں نے یہ طے کیا تھا کہ فوراً ہندوستان میں "ایسٹ انڈیا کمپنی" کو اطلاع دی جائے کہ وہ پیش آنے والے حالات کے مدنظر، مشرق میں اپنی آبادیوں کی حفاظت کرے، اور موقع سے فائدہ اٹھاکر..... فرانسیسیوں کے مقامات پر قبضہ جمالے[1]۔

چنانچہ اس حکم کے تین ہفتہ بعد ہی، انگریزوں کا جو بیڑا "ایسٹ انڈیز" میں کام کرنے کے لیے مامور ہوا تھا، اس نے مئی ۱۷۴۴ء میں بحرِ ہند میں داخل ہوتے ہی..... فرانسیسی جہازوں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا، جس میں وہ تین جہاز بھی شامل تھے، جو چین سے قیمتی سامان لا رہے تھے۔ اس وقت جہازوں کی ملکیت کا یہ طریقہ رائج تھا کہ چند تاجر متحد ہو کر کسی جہاز کو خریدتے، اور جس سفر کے لیے یہ خریدا جاتا، اس میں جس قدر نفع ہوتا، وہ آپس میں تقسیم کر لیتے اور بعد کو جہاز کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتے تھے، یہ قاعدہ اس وقت عام طور پر جاری تھا، جس میں عموماً کمپنی کے گورنر کا بڑا حصہ ہوتا تھا۔ یہ چین سے آنے والے فرانسیسی جہاز جب گرفتار ہوگئے، تو اس کی وجہ سے ڈوپلے کی بیس سالہ ذاتی دولت اور اس کی کونسل کے ممبروں کا بڑا مالی نقصان ہوا، یہ واقعہ ڈوپلے کے لیے ایسی کاری ضرب ثابت ہوا کہ آخر دم تک اس نے انگریزوں کو ہر طرح نقصان پہنچانے کی ٹھان لی۔ چناں چہ اور طریقوں سے پریشان کرنے کے علاوہ اس نے دیسی حکم رانوں کے

---

[1] ڈوپلے اور کلائیو مصنفہ ہنری ڈاڈول ص ۹ بحوالہ روئیداد پریوی کونسل ۲۲ مارچ ۱۷۴۴ء برٹش میوزیم ای، وی، وی قلمی ۳۳۰۰۴۔ ۱۲

ذریعے بھی ان کو کم زور کرنے کی تدبیریں شروع کردیں۔

اسی لیے ناصر جنگ سے راست واقعات پیش آنے کے قبل، انوارالدین خاں حاکم کرناٹک کے پاس رسوخ پیدا کرکے، ان کو اس حد تک متاثر کیا کہ ان سے مارچ ۱۷۴۵ء میں، انگریزوں کے نام ایک حکم لکھوایا، جس میں درج تھا کہ " دونوں قوموں کو امن کے ساتھ رہنا چاہیے" اور دونوں کے بیڑوں کو جنگ کرنے کی ممانعت کی جاتی ہے، ورنہ خلاف ورزی کی صورت میں اس کا اچھا نتیجہ نہ ہوگا۔[1]

ڈوپلے نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کی، بلکہ مذکورۂ بالا حکم کے تین ہفتے بعد، پہلے سے زیادہ سخت ایک اور حکم نامہ جاری کرایا، جس میں ہدایت کی گئی تھی، "چوں کہ نواب صاحب نے اہلِ ملک کے ساتھ ساتھ پردیسیوں کو بھی مغلئی جھنڈے اور اجازت نامے دے دیے ہیں اس لیے یہ جن جہازوں پر اڑتے نظر آئیں ان سے کوئی مزاحمت نہ ہونی چاہیے۔"[2] کچھ دنوں بعد تیسرا حکم یہ حاصل کرلیا کہ " انگریز پانڈیچری پر حملے سے باز رہیں۔"[3]

اس قبیل کے احکام کے اجراء کو، انگریزوں نے بھانپ لیا، ایک طرف انوارالدین خاں کے پاس اپنا وکیل بھیج کر، یورپ کے طریقے، اور معاملات کی نسبت ان کو تفصیلی حالات سمجھا کر کے، اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرلی، اور فرانسیسیوں کی سازشوں کو چلنے نہ دیا۔

دربارِ آصفی میں انگریزوں کی سب سے پہلی عرضی

اور دوسری طرف دکن کی مرکزی حکومت کی طرف رجوع کیا، اور سرکار نظام کے دربار میں اپنی سب سے

---

[1] روداد مدراس کونسل ۴ مارچ ۱۷۴۵ء ۱۲ [2] روداد مذکورہ۔ مورخہ ۲۵ مارچ ۱۷۴۵ء ۱۲
[3] کتاب ڈوپلے اور کلائیو مرتبہ ہنری ڈاڈول ص ۱۶ ۱۲

پہلی عرضی اپنے امیرالبحر گریفن کے توسط سے بھیج کر یہ استدعا کی کہ :-

" فرانسیسی ہم پر بڑا ظلم کرتے ہیں، اور نواب کرناٹک بھی چشم پوشی کر جاتے ہیں۔ حضور! خیال فرمائیں کہ ہم ایک عرصۂ دراز سے یہاں رہتے ہیں، اور صرف ہندوستان ہی کیا، ساری دنیا کو نفع پہنچانے کے سوا ر ہماری کوئی غرض نہیں۔ اس لیے ہمارے حال زار پر کرم فرما کر، فرانسیسیوں کے ظلم سے ہمیں نجات دلائی جائے۔"

اس عرضی پر سرکار نظام نے حاکم کرناٹک کے نام فرمان بھیجا کہ :-

" انگریزوں کی قوم، فرماں بردار، اور خدمت گزار ہے، اس امر کا انتظام کیا جائے کہ ان کی شکایتیں رفع ہوں۔ اور ان پر کسی قسم کی ظلم و زیادتی نہ ہونے پائے۔"

ہنری ڈاڈول، بعد میں حاکم کرناٹک کے انگریزوں کے طرف دار ہو جانے کو، دکن کی مرکزی حکومت کے اس فرمان کی بدولت تصور نہیں کرتا ہے، بلکہ الزام لگاتا ہے کہ انورالدین خاں کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ جو نقصان انگریزوں سے بگاڑ لینے میں ہوگا اس کی تلافی فرانسیسیوں کے نذرانے سے نہیں ہو سکتی، غرض ان کو، انگریزوں کی ہمدردی پر مائل ہونا پڑا۔

یہی سبب تھا جب کہ ایک فرانسیسی افسر، انگریزوں کے خلاف، مدراس پر حملے کا ارادہ کر رہا تھا، تو انھوں نے اس کو تین مرتبہ لکھا کہ وہ اس حماقت سے باز رہے ورنہ پانڈیچری سے اس کی ساری فرانسیسی قوم نکال باہر کر دی جائے گی۔ نیز ستمبر کے مہینے میں، ڈوپلے کے پاس بذریعہ شتر سوار یہ حکم شدید بھیجا کہ وہ اس مہم سے باز رہے[1]۔ اس پر ڈوپلے نے تنسیخ حکم کے لیے ہوشیاری سے

[1] کتاب ڈوپلے اور کلائیو ہنری ڈاڈول ص۱۹ روزنامہ انندا رنگا پلے جلد ۲ صفحہ (۲۸۵، ۲۹۱، ۳۱۱) ۱۲

ایک چال اختیار کی اور جواب میں لکھا کہ شہر مدراس اگر فتح ہو جائے تو وہ نواب کی نذر کر دیگا۔ کہتے ہیں انورالدین خاں پر اس مکارانہ جواب کا کوئی اثر نہ ہوا، اور ڈوپلے کی یہ کوشش کہ نواب انگریزوں سے ناراض ہو جائیں، کامیاب نہ ہو سکی۔

فرانسیسی فوج سے دیسی فوج کا اولین مقابلہ

کہتے ہیں کہ ایک فرانسیسی افسر لابورڈانس نے بالآخر ۱۷۴۵ء میں مدراس پر حملہ کر ہی دیا، اور انگریزوں کو شکست دے کر، اس کو چھین لیا۔ انورالدین خاں کو فرانسیسیوں کی اس جرأت اور عدول حکم کے باعث، رنج ہوا، انھوں نے اپنے بیٹے محفوظ خاں کو، انہیں مدراس سے نکال باہر کرنے کے لیے بھیجا۔ تعیلِ حکم میں محفوظ خاں دریائے ادھیار پہنچا (جو اِس زمانہ میں سینٹ ٹامس ریور سے موسوم تھا) اور اس کے ساحل پر فرانسیسیوں کا رستہ روک کر نبرد آزما ہوا۔ مگر مقابلہ میں، بہترین فرانسیسی توپ خانہ کی وجہ سے مغلئی فوج ٹک نہ سکی۔ لکھا ہے کہ، ان کے توپ خانہ کی کل کائنات صرف چار توپیں تھیں، اسی وجہ سے دیسی فوج بہت جلد فرار ہو کر سینٹ ٹامس کی گلیوں میں پھنس گئی[1]۔

اِس شکست کے دُور رس نتائج پیدا ہوئے، اور ہندوستان کی ان نووارد قوموں پر، مغلئی فوج کی برتری کی دھاک جو بیٹھی ہوئی تھی، اس کا سارا طلسم ٹوٹ گیا اور پہلے ہی تجربہ میں ان لوگوں کو اندازہ ہوگیا کہ یہ کتنے پانی میں ہے، اسی لیے آئندہ فرانسیسیوں کی ہمتیں بڑھ گئیں یہ دلیر اور نڈر بن گئے۔ ان ہی واقعات کی بنا پر ڈاکٹر برنیر کے اس قول کو اہلِ مغرب بہ طور دعویٰ پیش کرنے لگے کہ:-

---

[1] ڈوپلے اور کلائیو ص ۲۵ ۔ ۱۲

"ساری مغلیہ فوج کو شکست دینے کے لیے ایک یوروپین جنرل کی صرف ایک ہی رجمنٹ کافی ہے۔"

انورالدین خاں کو اس پہلی شکست سے کافی رنج پہنچا، ان کے دل میں.... فرانسیسیوں سے انتقام، اور ان کی تادیب کا خیال مضبوط ہوگیا، اسی لیے وہ فطرتاً انگریزوں کی طرف مائل ہوگئے، ورنہ ان کو ان دونوں قوموں میں سے کسی کی طرف بھی کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا، بلکہ فرانسیسی اور انگریز، ان کے حدودِ حکومت میں بس کر، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی خاطر، عام رعایا کی طرح ان کے پاس فریاد لے کر پہنچتے اور ان سے احکام حاصل کرکے، ایک دوسرے کو تنگ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور جب ان میں سے کوئی ایک فریق ان کے حکم کی خلاف ورزی کرتا، تو دوسرا اُکساتا تھا کہ سرکار کے حکم سے سرتابی کی یہ مجال، اور ان کی یہ قدرت، ایسے باغیوں کی تو ضرور تنبیہ ہونی چاہیے تاکہ کسی کو آئندہ جرأت نہ ہو۔ درحقیقت ایک حاکم اپنے حکم کی اس طرح بے عزتی کس طرح گوارا کرسکتا تھا، اسی وجہ سے سیدھے، سادے اور بھولے نواب ان کے آلۂ کار بن گئے، اور اپنی قوت و فوج کا استعمال شروع کردیا۔

ارکاٹ کی فوج کا فرانسیسیوں سے دوسرا مقابلہ اور فرانسیسیوں کو شکست

جیسا ہم نے اوپر لکھا ہے کہ انورالدین خاں نے فرانسیسیوں کی تادیب، محفوظ خاں کی شکست کا بدلہ لینے، اور قلعہ سینٹ کے انگریزوں کی مدد کے واسطے، پانڈیچری کو تباہ کرنے کے لیے اپنے چھوٹے بیٹے محمد علی کو دو ہزار پانچ سو سواروں کے ساتھ بھیجا۔

ادھر ڈوپلے نے بھی یہ خبر سُن کر، پڑادس نامی ایک فوجی افسر کے ساتھ (۹۰۰) یوروپین، اور (۴۵۰) دیسی سپاہی اور ۶ توپیں بھیجیں، اور غالباً فریقین میں یہ معرکہ ڈسمبر ۱۷۴۶ء میں مقام کڈلور کے قریب پیش آیا، جو انگریزی قلعہ کے

جانبِ جنوب، ایک میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ جس کے بیچ میں ایک وسیع ندی بھی حائل تھی۔

ظاہر ہے کہ حکومتِ ارکاٹ نے یہ جھگڑا، انگریزوں کی وجہ سے مول لیا تھا، لیکن اس کے باوجود یہ لوگ چاہتے تھے کہ محمد علی صرف اپنی ہی فوج سے، جس قدر کہ اُس کے ہم راہ ہے، فرانسیسیوں سے مقابلہ کرے، اور کسی طرح یہ بچ جائیں۔ محمد علی نے اس ارادہ کو بھانپ لیا، اور بغیر انگریزی فوج کی مدد کے حملہ کرنے سے انکار کر دیا، جس کے باعث مجبور ہو کر، قلعہ سینٹ ڈیوڈ کی نصف جمعیت اس کے پاس روانہ کر دی گئی۔ جس میں ایک ہزار چھ سو ہندوستانی پیادے شامل تھے اور ولائتی سپاہی تعداد میں بہت کم ہی کم۔ اور جو دو دیسی افسر مامور ہوئے تھے ان میں سے ایک کا نام وِنکٹا چلم اور دوسرے کا مول راج جی تھا[1]۔

اس لڑائی میں ہندوستانی پیادوں کو آگے بھیجا گیا تھا، تاکہ وہ دشمن کو دُور رکھ کر دِق اور پریشان کریں۔ مگر یہ لوگ فرانسیسی فوج کی پیش قدمی کو نہ روک سکے، جو بڑھتے بڑھتے "گارڈن ہاؤس" تک پہنچ گئے، جہاں سے انگریزوں کا قلعہ صرف ۲ میل پڑتا تھا۔ بالآخر فریقین کی اصل فوج کو میدان میں آنا پڑا، اور قریباً آدھے گھنٹے تک زور شور سے مقابلہ ہوتا رہا۔ ایک انگریز مؤرخ کہتا ہے کہ اس موقع پر فرانسیسیوں کا بارود گولہ ختم ہو گیا تھا، یا اُنھیں عن قریب ختم ہو جانے کا خوف لگا تھا، نیز انگریزی فوج کی اُس نقل و حرکت سے بھی ڈر رہے تھے جس کا منشا وہ یہ سمجھتے رہے کہ وہ ان کو گھیر لینا

---

[1] ڈوپلے اور کلائیو ص۲۸ بحوالۂ روئیداد قلعہ سینٹ ڈیوڈ مورخہ ۸ دسمبر ۱۷۴۶ء ۱۲

چاہتی ہے، اسی لیے، یہ لوگ اپنا جو کچھ ساز و سامان گارڈن ہاؤس میں تھا، اسے چھوڑ میدانِ جنگ سے پیچھے ہٹ گئے[1]

ڈوپلے کو اس مہم کے ناکام ہو جانے کا بڑا رنج ہوا، اس نے اس واقعے سے یہ نتیجہ نکالا کہ نواب کی فوج انگریزوں کی امداد کے لیے اس قدر ساتھ ہے کہ اس کی بھیجی ہوئی فوج اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس لیے مناسب یہ سمجھا کہ صلح کر لی جائے چناں چہ ۲۱۔ مارچ ۱۷۴۷ء کو صلح نامہ طے پایا، اور ڈوپلے کو قریباً (۸۰) ہزار کے تحائف پیش کرنے پڑے، اور شہر مدراس پر (جو اس سے قبل انھوں نے قبضہ کر لیا تھا، جس کا تذکرہ لکھا جا چکا ہے) ایک ہفتہ تک مغلئی جھنڈا رکھنا پڑا[2]۔

دونوں قوموں کے جذباتِ رقابت کے یہ اسباب اور ابتدائی واقعات یہ تھے اس کے بعد، اصل حالات جو پیش آئے وہ ناصر جنگ کے ان سوانح میں بڑی حد تک نظر سے گزریں گے۔

فرانسیسیوں کی ہندوستانی سیاسیات میں دخل کی ابتدا، اور ڈوپلے کی مظفر جنگ کی طرفداری

ہم نے چندا صاحب کے تذکرے کے ضمن میں لکھا ہے کہ فرانسیسیوں نے اس کے خسر دوست علی سے تعلقات پیدا کر لیے تھے، اور اسی وجہ سے، اس کی بھی ان لوگوں سے گہری دوستی تھی۔ فرانسیسی ایک طرف تو انگریزوں سے خار کھائے بیٹھے تھے اور دوسری طرف نواب ارکاٹ کو دشمن بنا لیا تھا، دیوما کے بعد

---

[1] ڈوپلے اور کلائیو صفحہ ۲۔ بحوالہ روداد قلعہ سینٹ ڈیوڈ مورخہ ۲۰ ڈسمبر ۱۷۴۶ء۔ توزک والاجاہی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ورق ۶۷/ب ۱۲

[2] ڈوپلے اور کلائیو صفحہ ۲۹۔ ڈوپلے اور محمد علی کی اس موقع کی خط و کتابت توزک والاجاہی میں دی گئی ہے ورق ۶۳ و ۶۴۔ ۱۲

جب ڈوپلے گورنر بنا تو چندا صاحب نے اس کو مظفر جنگ کا ساتھ دینے کے لیے آمادہ کرلیا، اور اطمینان دلایا کہ مظفر جنگ کی کامیابی سے خود اُسے اور فرانسیسی کمپنی کو بے انتہا نفع حاصل ہوگا۔ ایسے وقت پر جب کہ فرانسیسی کمپنی دشمنوں کے نرغہ میں پھنسی ہوئی تھی، اور اس کے لیے ڈوپلے ہندوستان میں جن مواقع کا آرزومند تھا، وہ منجانب اللہ پیدا ہو گئے۔ اسی لیے اُس نے فی الفور چار سو گورا فوج اور دو ہزار دیسی سپاہی "مسٹر ڈاٹیل" کی افسری میں، چندا صاحب و مظفر جنگ کی کمک کے لیے روانہ کردیے۔

مظفر جنگ کا کرناٹک پر قبضہ اور انورالدین خاں کا قتل

چندا صاحب کے مشوروں پر.....، مظفر جنگ نے فرانسیسیوں کی فوج کے ساتھ، کرناٹک پر حملہ کردیا، اور مقام امبور (یا امبر) پر انورالدین خاں کے مقابلہ میں صف آرا ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۶ شعبان ۱۱۶۲ھ (مطابق ۱۱ جولائی ۱۷۴۹ء)[1] کو انورالدین خاں شہامت جنگ مارے گئے[2]۔ جن کی عمر اس وقت (۷۷) برس کی تھی، ان کا بڑا لڑکا محفوظ خاں اور ان کے بھائی بھی بعد کو گرفتار کرلیے گئے، اور محمد علی

---

[1] انگریزی تاریخیں ۳۰ اگست ۱۷۴۹ء تاریخ لکھتی ہیں (ڈوپلے اور کلائیو ص۵)

[2] تاریخ فتحیہ میں ان کا اصل نام شیخ جان جہاں لکھا ہے۔ انورالدین خاں خطاب تھا۔ تاریخ اساس ریاست کرناٹک کا مؤلف خیرالدین خاں محمود جنگ بیان کرتا ہے کہ آصف جاہ نے انہیں اولاً ناظم حیدرآباد و مہتمم بیگم بازار مقرر کیا تھا اور حضرت مغفرت مآب ہی کے استصواب سے ان کی شادی مچھلی بندر کے نواب کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ قتل کے بعد ان کی نعش حیدرآباد لائی گئی اور آصف نگر میں ان کے مرشد شاہ ولی کے پہلو میں جو بلدہ سے ۴ میل ہے دفن ہوئے (اساس ریاست کرناٹک قلمی مکتوبہ ۱۳۲۵ھ، ص۹ و ۱۱ و تزک والاجاہی ورق ص۲) حکومت حیدرآباد نے نواب والاجاہ شہزادہ ارکاٹ کی جاگیر ضبط کرکے اس کے معاوضہ میں (معہ ۵) روپے سالانہ انورالدین خاں کی درگاہ کے اخراجات کے لیے منظور کیے جو ذریعہ محکمۂ امور مذہبی سرکار عالی صرف ہوتے ہیں (رپورٹ نظم و نسق ممالک محروسۂ حیدرآباد بابت ۱۳۴۲ تا ۱۳۴۳ف ص ۶۷۲)

بچ کر، انگریزوں کے پاس ترچناپلی چلا گیا۔ نواب ارکاٹ کے انتقال کے ساتھ ہی مظفر جنگ کا کرناٹک پر قبضہ ہوگیا (اس لڑائی کے مکمل حالات، مظفر جنگ کے سوانح حیات میں بیان کیے جائیں گے)

مظفر جنگ کی بغاوت کو سُن کر ناصر جنگ کی فوج کشی

ناصر جنگ کو جب مظفر جنگ کے کرناٹک پر حملے کی خبر ملی (انورالدین خاں قتل نہیں ہوئے تھے) تو وہ چونک پڑے، مقابلے پر نکلنے سے قبل انھوں نے شاہ نواز خاں، اور نصیر جنگ کو بھیجا، تاکہ ان کی مداخلت کے بغیر مظفر جنگ، ان لوگوں کی بدولت راہ پر آ جائیں لیکن ان ہر دو امیروں کی روانگی کامیاب ہو نہ سکی، بلکہ یہ مظفر جنگ تک پہنچ بھی نہ سکے۔ چناں چہ شاہ نواز خاں کے مکتوبات میں ایک عرضی اور ایک خط اس واقعے کے شاہد ہیں، اور بڑی اہم باتوں کا ...... کا انکشاف کرتے ہیں۔ عرضی کا عنوان یہ ہے :۔

"عرضی بہ نواب شہید، در جواب عنایت نامہ قلمی ساختہ"

صدورِ احکامِ مطاعہ، متضمنِ تاکید، بہ عبور دریائے کشنا از گذر جنبول مستعد عزیمت ماموره ساختہ، باغی، نا درستئے، مذبور بود۔ پیش رفتن، موجب فزونیِ توحشِ او، تصور نموده و در قصبۂ نلنگہ، فروکش کرده، به انتظارِ جواب معروضہ ہست۔"

"ورود مقام نموده و مجردِ اصغائے کوچ باغی (یعنی مظفر جنگ) بجانب سراپا نفاق (غالبًا ڈوپلے یا چند اصاحب مراد ہوگی) نصیر جنگ عازم جنبول گردید۔ دریں ضمن "ترسون محمد خاں" رسید، و قسمے کہ سابق عرض کرده، ظاہر نموده، و مصر شد کہ بر ہمیں قرار داد قرآن شریف بر داشتہ تفرس کرد کہ شاید باستماع معاودت والا دِل پائے داده تقریبے برائے

رجعت اندیشیدہ باشد؛"

دریں ولا بہ یقین پیوست کہ آں ناعاقبت اندیش؛ کوتاہ فکر از جاپ بالاپور و کولار گزشتہ، بسرحد گھاٹ رسید۔ فاصلہ زیادہ بر سی کروہ نیست تا حال تقارب فریقین بل تلاقیٔ فیئتین شدہ باشد۔ ظاہر شد کہ آمدنِ ترسون محمد خاں محض بہ جہتِ تغلیط بود کہ فوج فیروزی ارادۂ کوک می نماید۔ بناءً علیہ نصیر جنگ بہادر بہ اتفاقِ جمیل بیگ خاں وفدوی، بکرات و مرات مجلسِ مطارحہ منعقد نمودہ پس از تأملِ وافی خطے مبسوط و مشروح بہ محمد انور خاں نوشتہ اند کہ بمطالعۂ خاص درآرند، وآں چہار شاد شود، زود بزنگارند؛"

بعونِ اللہ المستعان عن قریب بہ جٹپول رسیدہ می شود۔ اما بہ تیاریٔ جنسی و رسیدنِ سرداراں متوقف باید بود۔ بہ آمدنِ ایں ہانہ پرداختہ روانہ باید شد۔ ہر چہ امر[1]؛"

ذیل کا دوسرا خط نہایت طویل اور اہم ہے، جو علامہ میر غلام علی آزاد کو لکھا ہے:۔

بہ میر غلام علی آزاد، در ایامِ چھاؤنی کویل کنندہ

"دو کلمہ از سرگذشتِ وقت می نویسم۔ ۸؍ رجب المرجب (غالباً ۱۱۶۲ھ)

دولت مدار، بقصبۂ ملنگہ رسیدہ، ملاقات نصیر جنگ بہادر دریافت۔ بندگانِ حضرت، بعد ہم شہر مذکور رو اصل خجستہ بنیاد شدہ، فصلے ہم زیادہ نہ گذشت و مسافت ہم زیادہ بر پنج روز، راہ نبود۔ بموجبِ ارشاد ارادۂ گلبرگہ داشتم نصیر جنگ بہادر بہ نوشتہ ہائے ترسون محمد خاں کہ معتمدِ خانہ زادِ قدیم بجہت اصلاح مامور شدہ، پیش روی را موجبِ (توحش) ہدایت محی الدین خاں

---

[1] مکتوبات شاہ نواز خاں قلمی ص ۳۲۱ ۱۲

پنداشته، مجوزِ پیشِ رفتنِ خود و فقیر نشدند، در جواب عنایت نامہ
کہ بنام نصیر جنگ بہادر رسیدہ کہ اگر مناسب باشد برگردند و الا جائے
چھاؤنی نمایند، و فلانے با پانصد سوار بہ حیدرآباد، رود چوں گشت و سیر
پرگنات مفید نہ بود، ارادہ حیدرآباد نہ کردم و عرضی ہا، بدست یوز باشی
فرستادیم بہ شانزدہم رجب رسید، جواب آں پنجم شعبان حاصل شد
امورِ ملکی، خصوصاً امثالِ ایں مقدمات، مسابلہ، دو رنگ نمی خواہد علاوہ
حکم رسید کہ موجوداتِ سپاہ گرفتہ، ہر کہ اسپ زبوں داشتہ باشد،
برطرف نماید - سر رشتۂ سپاہ از انتظام افتاد - با آنکہ معلوم شد کہ ...
بدایت محی الدین خاں روانۂ سر گشتہ، ناچار موجوداتِ سپاہ
موقوف کردہ بست و نہم رجب بجانب ....[1] کوچ کردیم
در آں میاں ترسون محمد خاں .... رسید و ظاہر کرد کہ او علی رؤس الاشہاد
دست بہ قرآن گذاشتہ کہ اگر شما رفتہ از فلانے و نصیر جنگ بہادر قسم
قرآن گرفتہ بیائید کہ بر جان و آبروئے من .... نخواہد آمد-
برمی گردم - ہماں وقت گفتم کہ ایں ہمہ تزویر است - در اصل
بے عنایتیِ حضرت را ترویجِ کارِ خود انگاشتہ در مردم خود را مظلوم
و مضطر وا می نماید- آخر گفتند کہ دین و ایمان ہمہ قرآن است -
بہر تقدیر جنسے را کہ از کار رفتہ بود، برائے تیاری بحیدرآباد فرستادہ
دہم شعبان با قسم نامہ ترسون محمد خاں رخصت نمود - ارادۂ ایں بود کہ
نصیر جنگ در جائے چھاؤنی نمایند، و فقیر بہ پرگنات گشت نماید"

---

[1] الفاظ اُڑ گئے ہیں - ۱۲

" دریں ضمن تعین شد کہ فاصلہ میانِ شہامت جنگ و متغلب زیادہ بر سہ (یا سی) کروہ نماندہ، دوازدہم شعبان از محولے (غالباً محولی ہے، جو مقام کا نام ہے) بہ ارادۂ عبور دریائے کشنا روانہ شدیم، حال آنکہ شانزدہم ماہِ مذکور در آں جا جنگ منقضی گردید، چوں اطلاع بنود، با وصفِ گل ولائے و شدتِ باراں کہ در شبانہ روز فرصت نمی داد، بمقام ضرورتر، و کوچ متواتر بہ گرشکال رسیدہ، اطلاع بر رُوداد مقدرہ شدہ، دریں اثناء مکرر عنایت نامہ ہائے والا شرفِ اصدار یافتہ کہ زُود از دریا گزشتہ، کومک شہامت جنگ ......

نمایند "

" ہر چند حکم بہ امعانِ نظر نہ شدہ، وِالا موانع واردہ منافی الحکم است وخلافِ تدبیر، لیکن در عالم بندگی اطاعتِ امر، واجب بہ شرطِ امکان و قدرت، اگر فرضاً یلغار می کردیم با آں کہ متصور نیست و نہ بودہ، تا کشنا می رسیدیم، کومک دریں مدت قلیل بقسم صورت می گرفت۔ الحال کہ بہادر خاں با دو صد سوار نزد عبدالنبی خاں رفتہ کہ او زیادہ بر ہفصد سوار ندارد و نوشتہ اند کہ در صورت آمدن متغلب از راہ کڑپہ جنگ می کنم، بکومک برسید دریں مرتبہ ہم تردد اعزہ (؟) محالست (مُحال است ہوگا)۔ اول خود یک جہتی آں ہا ثابت نیست۔ مردم چیز ہا برزبان دارند۔ دوم ایں کہ قوت کدام ہمگی ہزار و پانصد سوار، گر روزِ فوجِ سرکار اسپانِ آں ہا، بنا بر برسات از کار رفتہ، و بہ سبب نظر ثانی بے دل، و چوں نوکری آں جا گرم شنیدہ اند، ہر کدام تقریبے برائے

بطرفی می خواہد۔ درصورتِ عبورِ کشنا تکالیف می کند، اول این ست اسپے کہ غرق شود، قیمت بہ وہند، لہذا ایں جا تصمیم شدہ کہ در ہمیں نواح کہ چہل کروہے حیدرآباد یا سوادِ حیدرآباد، تتمۂ ایام برسات وقفہ کردہ بہ انتظارِ قدومِ حضرت باید گزرانید۔"

الحال نظر بر واردات، برآمدنِ حضرت، بہ مجردِ اصغائے خبرِ شہادتِ شہامت جنگ، اصوب و اولیٰ، بعدِ وقفۂ یک ہفتہ، کوچ بجانبِ دھارور و مقامات بر دھارور، تا اجتماعِ افواج و رسیدنِ جنسی کہ ہنوز تیار نہ شدہ باشد، قرینِ صلاحِ الحال وقت۔ تغافل و بے خبری نیست، اگر اول سال ہمیں طرف تشریف می فرمودند چہ قدرت داشت کہ ملازمت نمی کرد، .... رفتنِ حضور و ہنگامہ ہا کردہ، و مبلغے خطیر در مجری .... تصرف اشقیا رفت۔ و مثلِ .... کرناٹک و مانند انورالدین خاں، سردارے رفت۔"

"چناں چہ بر ما مردم، حقِ نمک و پرورش است، بر شما ہم حقِ محبت و دوستی، پوست کندہ بعرض رسانید، الحال باعتمادِ افغانان، بایں فوج و سردارانِ دیگر، مثلِ رام چندر و جانوجی نیندا ختہ، خود مباشرِ تنبیہ او شد کہ بفضلِ الٰہی، در مقابلِ حضرت ہیچ نہ۔ و الّا در دل ہائے ایں مردم وقعے عظیم پیدا کرد (غالباً مظفر جنگ) خصوص سپاہ کہ بر شرحِ سی و چہل روپیہ او و قول ہائے متواتر او دل بہ جان دارند۔"[1]

---

[1] مکتوباتِ شاہ نواز خاں قلمی ص ۳۶۵۔ ۱۲

ایسے حالات رُونما ہو جانے کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ناصر جنگ نے بعد میں، شاہ نواز خاں اور نصیر جنگ کو واپس بلا لیا۔ تیسری عرضی اس واقعہ پر روشنی ڈالتی ہے۔

> وُرودِ کرامتِ آمود عنایت نامۂ والا، بہ دستخطِ اقدس اعلیٰ، متضمنِ تقررِ عبور دریائے کشنا از گھاٹ آنجل کہ از را وراثجور شانزدہ کروہ زمینداری است داستسعاد بتقدم بوسِ مقدس .... در آں ہنگامِ سعادت کیس، سرمایۂ افتخار و مباہات گردید۔ آرزوئے جبہہ سائی عتبۂ علیہ، مقتضی آں بود کہ .... رہ سپر ایں مقصدِ عظمیٰ گردد، لیکن فوجے بہ استخلاصِ "اخلاص پور" فرستادہ، لہٰذا توقفِ یک روز ضرور، انشاء اللہ المستعان روزِ دوشنبہ چارم ماہ بہ اتفاقِ نصیر جنگ بہادر، احرامِ ملازمتِ فیض موہبت می بندد[1]،

الحاصل ناصر جنگ مجبور ہو کر، مظفر جنگ کی تادیب کے لیے خود نکلے، اگرچہ اس وقت انھیں اپنے بڑے بھائی، غازی الدین خاں فیروز جنگ (ثانی) کے آنے اور صوبہ داریٔ دکن کے استحصال کا ڈر لگا تھا، اس خطرے کے باوجود فوج جمع کرنی شروع کر دی، اور ممالک محروسۂ دکن کے سارے راجاؤں اور سرداروں کو اپنی اپنی فوج سمیت شریک ہونے کا حکم دیا۔ اس اثنا میں مظفر جنگ کے آگے بڑھنے اور تنجور پر قبضہ کرنے کی خبر ملی۔ ۱۰ رشوال ۱۱۶۲ھ کو اورنگ آباد سے نکلے۔ راہ میں محفوظ خاں کی عرضی ملی، جس میں اس نے نواب صاحب سے استدعا کی تھی کہ وہ اس کے باپ کے خون کا بدلا لینے میں اس کی مدد کریں۔ ناصر جنگ نے اس کا

---

[1] مکتوبات شاہ نواز خاں قلمی ص ۳۲۲ ۱۲

جواب بھیجا کہ میں آرہا ہوں، نتھر نگر کی حفاظت کرتے رہو[1]۔ پیاپے کوچ کرتے ہوئے، ۴ ار ذیقعدہ کو مانجرا پہنچے، پھر یہاں سے گلبرگہ کا عزم کیا، اور آستانۂ حضرت گیسو دراز کی زیارت کی، یہاں ان کی خدمت میں........ انورالدین خاں کا دوسرا بیٹا عبدالوہاب[2] خاں حاضر ہوا۔ گلبرگے سے آگے بڑھے اور بھیمراندی کے کنارے پہنچے، اور ۱۷ار محرم ۱۱۶۳ھ کو دریائے کشنا سے عبور ہوا، اس وقت تک ان کے پاس (۵۰) ہزار سوار، اور ایک لاکھ پیادے جمع ہو چکے تھے۔ اس منزل میں انھوں نے ایک بلند ٹیلے پر چڑھ کر اس کے محاذی ایک وسیع میدان میں، امراء و رفقاء کے ہمراہ اپنی فوج کا معائنہ کیا۔ اور آگے نکلے، رُودِ تنگ بھدرا پار کرکے ہجولی نامی ایک جنگل میں اقامت کی۔ رستے میں کڑپا اور کرنول وغیرہ کے سردار آ آکر ملتے رہے۔ اس منزل کے بعد، بھگوتہ نامی مقام پر پہنچ کر چند دن آرام لیا۔

اطلاع ملی کہ محفوظ خاں دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا تھا، جسے اس کے بھائی محمد علی نے تین لاکھ روپے معاوضہ دے کر چھڑا لیا ہے۔ چناں چہ وہ رہائی پانے کے بعد نتھر نگر پہنچا، اور یہاں سے ناصر جنگ کی خدمت میں ایلچی روانہ کیا، اور خود سامان و فوج لے کر، سیلم کے رستے، میسور ہوتا ہوا، ۱۰ار ربیع الاول کو بہ مقام

---

[1] اس موقع سے متعلق محمد علی کی بھی ایک عرضی تو زک والاجاہی میں درج ہے ورق $\frac{92}{2}$ اور اس کا جواب بھی جو ناصر جنگ نے دیا ہے وہ بھی درج ہے ورق $\frac{94}{2}$

[2] واضح رہے کہ انورالدین خاں کے کل پانچ بیٹے تھے (۱) بدرالاسلام خاں (۲) محفوظ خاں (۳) محمد علی خاں عمدۃ الملک والاجاہ جنگ (جس کی فرمائش پر کتاب انورنامہ لکھی گئی ہے) تو زک والاجاہی میں آصف الدولہ اور ظفر جنگ بھی خطابات لکھے ہیں ورق ۲۲ (۴) عبدالوہاب خاں (۵) نجیب اللہ خاں ۲، ۳ تذکرہ تحفۃ الشعراء قلمی (تاقتال) ۶۰

بھگوتہ ..... نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، ناصر جنگ نے، اس کے آنے کی خوشی میں بھگوتہ کا نام "فرحت نگر" رکھا[1]

رکاب کی سپاہ میں، مرہٹہ فوج کے دس ہزار کے تین دستے بھی شامل تھے جن کی قیادت مُورراؤ کے سپرد تھی، ناصر جنگ نے کرناٹک پہنچنے کے بعد محمد علی کو طلب کرکے، باپ کا خطاب "انورالدین خاں" مرحمت کیا، جو ترچناپلی میں ٹھہرا ہوا تھا، جس کے انگریز طرف دار تھے، اور اُسے کرناٹک کی نوابی دلانا چاہتے تھے۔

انورالدین خاں کی وفات پر انگریز گورنر چارلس فلویر نے محمد علی کے نام پیامِ تعزیت بھیجا تھا، جب ترچناپلی آکر اُس نے انگریزوں سے مدد طلب کی تو گورنر نے اس کو لکھا کہ ناصر جنگ کے آجانے اور ان کی مداخلت کی وجہ سے اس پر کوئی حملہ نہ ہوگا، اگر اس کے باوجود ہوجائے تو وہ امکانی مدد کریگا، لیکن بعد میں انگریزی کونسل نے یہ سوچ کر اور اس توقع پر کہ ناصر جنگ جب آجائیں گے تو بغاوت کا خاتمہ ہوجائیگا، نیز یہ کہ انگریزی مفادات نواب صاحب کے آنے سے قبل تک فرانسیسیوں کی دست برد سے محفوظ رہیں گے، فلویر نے کپتان کوپ کی سرکردگی میں ایک یوروپین کمپنی، محمد علی کے پاس روانہ کردی، جس سے اُس کو بڑا اطمینان ہوا، اور اس نے قلعہ سینٹ ڈیوڈ کے اطراف کا علاقہ انگریزوں کو صلہ میں عطا کردیا، جس کو مظفر جنگ اس سے قبل فرانسیسیوں کو دے چکے تھے[2]

انگریزی استمداد کے لیے ناصر جنگ کو راضی کیا گیا

الغرض ۱۱۶۳ھ میں ناصر جنگ ارکاٹ کے قریب پہنچ گئے، اس وقت محمد علی نے، محض انگریزوں کے زیرِ اثر ہونے کی وجہ سے اور اُن سے اپنے دوستانہ تعلقات کی بناء پر دربارِ آصفی

---

[1] تذکرہ تحفۃ الشعراء قافشال قلمی صفحہ ۶۸ ۱۲

[2] ڈو پلے اور کلائیو مؤلفہ ڈاڈول صفحہ ۵۵ ۱۲

میں خیرخواہی جتانے کے لیے ناصر جنگ سے اس امر کی خواہش کی کہ وہ انگریزوں سے مدد طلب کرنے کی اجازت دیں، اس نے نواب صاحب کے سامنے ان کی بڑی تعریف و توصیف کی کہ یہ ایک وفادار، اطاعت مند، اور بہادر قوم ہے۔ اور فرانسیسیوں کی چال بازیوں سے بھی خوب واقف ہے، چونکہ فرانسیسی مظفر جنگ کے ساتھی ہیں، اس لیے ان کا ہمارے ساتھ اشتراک مفید ہوگا۔ لکھا ہے کہ نواب صاحب نے یہ سن کر، بڑے اصرار کے بعد اجازت دی، اور انگریزی فوج طلب کرلی گئی[1]۔ ہنری ڈاڈول کا بیان ہے کہ ناصر جنگ نے خود خواہش کی، اور مدد طلب کی[2]۔ حال آں کہ واقعہ وہی ہے جو ہم نے لکھا ہے۔

مظفر جنگ اور ناصر جنگ کی خانہ جنگیوں کی بدولت، یہ پہلا موقع تھا کہ ان مغربی قوموں نے ہندوستان کی سیاست میں عملاً قدم رکھا اور ایک دوسرے کے خلاف ہو کر، یہاں کے رؤساء کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھایا۔ ہندوستان میں اپنا قبضہ جمانے کی کوششیں شروع کیں۔ آپ آگے دیکھیں گے کہ اس باہمی نزاع کے باعث ان دونوں قوموں کو اپنے عمل دخل کا خوب بھی خوب موقع ملا۔ گویہ... خانہ جنگی محدود تھی، لیکن اس نے سارے ہندوستان کے دروازے ان پر کھول دیے اور ان لوگوں نے یہاں کے تجربوں سے صرف والیانِ ہند ہی کے نہیں، بلکہ اُمراء اور ساری قوم کے مزاج کو بھی بھانپ لیا۔

الغرض جب مارچ ۱۷۵۰ء میں ناصر جنگ کی ساری فوج قلعہ جنجی کے

---

[1] توزک والاجاہی کا مؤلف لکھتا ہے کہ ناصر جنگ کی خود رائی کو دیکھ کر (محمد علی) از انجام کار خبردار شدہ قوم انگریز را کہ بامروت و وفا یافت۔ حسب وصیت والد ما جد خود طلب داشت۔ ورق ۱۰۱

[2] ڈوپلے اور کلائیو۔ مولفہ ڈاڈول صفحہ ۲۶ ۱۲

نواح میں جمع ہونی شروع ہوئی (جو پانڈیچری کے شمال مغرب میں (۴۵) میل کے فاصلہ پر واقع تھا) تو انگریزوں نے بھی ترچناپلی سے اپنے چھ ہزار سوار روانہ کر دیئے[1] اور پھر میجر لارنس کی معیت میں قلعۂ سینٹ ڈیوڈ سے مزید چھ سو یوروپین سپاہیوں کا ایک اور دستہ بھیجا، جو مارچ ۱۷۵۰ء میں ناصر جنگ کے کیمپ میں حاضر ہو گیا[2]۔ اس طرح ناصر جنگ کے جھنڈے تلے، مرہٹوں اور دیگر راجاؤں وغیرہ کی فوج ملا کر تین لاکھ کی ایک جنگ آزما فوج حکم کی منتظر کھڑی تھی، جس کے ساتھ آٹھ سو توپیں، اور ایک ہزار تین سو ہاتھی تھے۔

اس وقت ناصر جنگ کو جب یہ معلوم ہوا کہ مظفر جنگ قلعۂ جنجی اور کے محاصرہ میں مصروف ہیں، تو انھوں نے سب سے پہلے، محمد دائم نظر بیگ خاں، موروجی پنڈت النخاطب رائے بشن داس، اور مرہٹہ فوج کے سرداروں میں سلطان جی راجہ رام چندر، پسرانِ جانوجی وغیرہ کو بیس ہزار سوار اور بیس ہزار پیادوں کے ساتھ روانہ کر دیا۔ یہ لوگ وسطِ فبروری میں کرناٹک کی جنوبی حد، دریائے کلورن کے کنارے پہنچے، اور یہاں چلمبر نامی ایک مندر کے قریب، مرہٹوں کی جمعیت کو...... مظفر جنگ کی چار ہزار، سوارہ فوج ملی، جو تنجور سے پیش کش وصول کر کے واپس آرہی تھی

---

[1] ہنری ڈاڈول نے اپنی کتاب کے ص۶۲ پر لکھا ہے کہ اس موقع پر انگریزی گورنر فلویر نے ۲۔ اور ۱۴ اگست کو ان کی خدمت میں ایک خط بھی لکھا تھا۔ بعد کو شاہ نواز خاں نے بھی فوج کے پہنچ جانے کی اطلاع بھیجی تھی جو ۲۹ ستمبر اور ۱۰ اکتوبر کو انگریزوں کو ملی۔

[2] کتاب ڈیوپلے اور کلائیو ص۲۶ پر آرمی کی تاریخ جلد اول ص۱۳۵ کے حوالے سے لکھا ہے کہ لارنس ۲۲ مارچ ۱۷۵۰ء کو ۶۰۰ یوروپین سپاہیوں کے ساتھ ناصر جنگ کے کیمپ میں پہنچا لیکن خود ہی اس کتاب کے مصنف نے یہ تردید کی ہے حقیقت تو یہ ہے کہ کوپ اپنی ایک سو کی جمعیت کو لے کر ترچناپلی سے چلا، اور لارنس سینٹ ڈیوڈ سے ۱۹۔۲۰ مارچ کو ۱۰۰ آدمیوں کے ساتھ بھیجا گیا، اور مزید ۱۰۰ آدمی ۲۸ مارچ، اور ۴ اپریل کے درمیان بھیجے گئے ۱۲

جس میں مظفر جنگ کا دیوان شیش راؤ بھی تھا، چونکہ یہ قلیل تعداد میں تھی، اس لیے مرہٹوں کا ٹک کر مقابلہ نہ کر سکی۔ اور مرہٹوں نے اس کو لوٹ کر منتشر کر دیا، اور مقام ولنور تک گھیرے ہوئے لے گئے۔ اس زد و خورد میں شیش راؤ مارا گیا۔ ناصر جنگ اس پہلی فتح سے بہت مسرور ہوئے۔

اس واقعہ کو صاحب تحفتہ الشعراء نے یوں لکھا ہے کہ نواب صاحب نے مرہٹہ سردار ہنونت راؤ بنالکر اور دوسرے چند سرداروں کو مظفر جنگ کی فوج کی کمک اور رسد کا رستہ کاٹ دینے کے لیے آگے بھیجا، چنانچہ ہنونت راؤ کو اطلاع ملی کہ حسین دوست خاں (چندا) کا دیوان سیتا راؤ تین ہزار سوار اور خزانے کے ساتھ سروا پلی اور نیلور کی طرف سے، مظفر جنگ کی فوج میں ملنے کے لیے جا رہا ہے، تو اس نے جرأت اور سبقت کر کے، اسے گھیر کر مقابلہ کیا، اور مار ڈالا اور لوٹ کا مال و اسباب لے کر ناصر جنگ کی فوج میں آملا، نواب صاحب کو جب یہ اطلاع ملی تو بہت خوش ہوئے اور اس کامیابی کو اپنی فتوحات کا "پیش خیمہ" تصور کیا[1]

ماموں بھانجے کی جنگ | ناصر جنگ کے آتے ہی ایک طرف فرانسیسی گورنر نے بھی اُن کے دیوان (شاہ نواز خاں) سے گفت و شنید شروع کر دی، مگر اس کو اس میں بڑی دقتیں پیش آئیں اور کامیابی نہ ہوئی۔ دوسری طرف مظفر جنگ بھی حواس باختہ ہو گئے اور وہ تنجور سے پیاپے کوچ کر کے چندا صاحب کے ساتھ ڈوپلے سے مشورہ کرنے کے لیے فوراً پانڈیچری پہنچے۔ چونکہ انھوں نے ڈوپلے کے منع کرنے کے باوجود، تنجور پر حملہ کیا تھا۔ جب یہ لوٹ کر اس وقت

---

[1] تحفتہ الشعراء، قاقشال قلمی صـ ۶۸ ۱۲ [2] ڈوپلے اور کلائیو صـ ۶۳ ۱۲

اس کے پاس آئے تو سخت ناراض ہوا، لیکن موقع نہایت نازک تھا اور جس میں کسی بحث و مباحثہ کا وقت نہ تھا، اس لیے سکوت کے سوا کوئی صورت نہ دیکھی، اور جب چند اصاحب اور مظفر جنگ نے ناصر جنگ سے مقابلہ کی تیاری کے لیے اس سے قرض مانگا تو مجبوراً ڈوپلے کو پچاس ہزار پونڈ دینے پڑے، اور ان لوگوں کے اصرار پر بوقتِ ضرورت مزید رقم فراہم کرنے کا بھی وعدہ کرنا پڑا۔ اس کے سوا، بعد کو اس نے دو ہزار فرانسیسیوں کی ایک جمعیت بھی موشیر ڈاٹیل کی سرکردگی میں مظفر جنگ کے پاس بھیجی، جو مقامِ ولانور پر ان سے جا ملی۔ چند اصاحب کے ہم راہ پانچ ہزار سوار اور دس ہزار گاردی اور ایک بھاری توپ خانہ تھا۔ اس طرح جب مظفر جنگ اپنے ماموں (ناصر جنگ) سے مقابلہ کے لیے نکلے، تو یہ حیثیت مجموعی ۲۵ ہزار سوار، اور دس ہزار تلنگے، چار ہزار فرانسیسی ان کے ساتھ تھے (غالباً یہ چار ہزار کی تعداد بعد میں بھیجے ہوئے دو ہزار فرانسیسیوں کو شامل کر کے ہوگی) — مظفر جنگ اپنی والدہ، بیوی، اور دیگر متعلقین کو پانڈیچری میں چھوڑ کر آگے بڑھے اور ناصر جنگ کی لشکر گاہ سے چھ کوس کے فاصلہ پر پہنچ کر خیمہ زن ہو گئے[1]۔

مظفر جنگ کو لڑائی سے قبل ناصر جنگ کی نصیحت کی کوشش

حملہ سے قبل ناصر جنگ نے اپنے امراء و ندماء سے کہا کہ:۔

"ناحق کشت و خون کی بجائے پھر ایک دفعہ سعد اللہ خاں کو (مظفر جنگ کا اصل نام یہی تھا) سمجھانے کی کوشش کرنی چاہیئے شاید وہ اپنے ارادوں سے باز آجائیں، انھوں نے اپنی ماں اور بیوی کو جو میری رشتہ دار ہیں، فرانسیسیوں کی سپرد کیا ہے، ہم کو ان کے

---

[1] تزک والا جاہی کا مؤلف اس معرکہ کا مقام پانڈیچری سے ۱۶ کوس کے فاصلہ پر لکھتا ہے ورق ۹۶ ۱۲

مقابلے کے بعد، ان لوگوں کی رہائی کے لیے بھی ایک اور جنگ کرنی
ہوگی، بہتر ہوگا کہ سعداللہ خاں ہماری باتوں کو مان جائیں۔"

حاضرینِ دربار نے ان کی اس رائے سے اتفاق کیا، اسی لیے نواب صاحب نے محمد انور خاں کو اپنا مُہری عہدنامہ دے کر، مظفر جنگ کے پاس بھیجا، جس میں لکھا تھا کہ:۔

"ہم نے تمھاری تقصیرات معاف کردیں اور تمھارا سابقہ ملک جس پر حضرتِ مرحوم نے تم کو مامور فرمایا تھا، بحال کردیا، اور فوج کی جس قدر تنخواہ تمھارے ذمہ ہے، اُسے بھی ہم ادا کیے دیتے ہیں، مقابلے کا خیال چھوڑ دو، اور ہم سے آکر ملو، تاکہ آپس میں مسلمانوں کا خون نہ بہنے پائے۔"

محمد انور خاں کو تاکید کی تھی کہ یہ باتیں مظفر جنگ سے خلوت میں کہی جائیں، تاکہ کوئی دوسرا واقف نہ ہو، مگر مظفر جنگ نے فرانسیسیوں کی امداد کے اعتماد پر ماموں کی نصیحت نہ مانی، اور محمد انور خاں کو واپس کردیا۔

اس واقعے کی نسبت "مرآۃ الصفا" کے الفاظ یہ ہیں:۔

نواب ناصر جنگ برائے استمالت و فہمانیدنِ نواب مظفر جنگ شاہ نواز خاں، و محمد انور خاں را فرستادند کہ ملکے کہ نواب غفران مآب بہ تو دادہ، بہ مع ارکاٹ بہ توارزانی می داریم بہیچ وجہ من الوجوہ آسیبے بہ ذاتِ تو نمی رسانیم۔ اما ملازمت ماضرور است، تا مردم دُور و نزدیک واقف گردند، کہ باہم دگر کمال صلاح و اتفاق است و ہر دو یک دل شدہ اند، کار بہ استقلال سرانجام خواہد رفت[1]۔"

---

[1] تذکرہ مرآۃ الصفا صفحہ ۸ (قلمی) ۱۲

اور فتحیہ میں یہ لکھا ہے کہ :-

بالفعل ایں شورشِ سپاہ، بہ طلبِ تنخواہ کہ بر شما زیادہ از حد شدہ، بنا بر نگاہ داشتنِ مردم زیادہ کہ بہ بے تدبیری بہ عمل آمدہ، و دخل از جائے نہ شدہ، طلبِ آں ہا افزودہ، مبلغ دو لک روپیہ از سرکار دادہ می شود کہ ایں ہا را برطرف کردہ، تنخواہ بہ دہند، و شما را بالفعل جاگیر مبلغ دو لک روپیہ در صوبۂ برار تنخواہ کردہ می شود، و بعد از اں کہ شما در حضور خدمت بکنید، پس از چندے برائے شما کارے ہم متعلق خواہد شد[1]"

حملہ سے پہلے نواب ناصر جنگ سے چند انگریزوں کی مشورت اور اختلاف رائے

مظفر جنگ کے نہ ماننے کے باعث، ناصر جنگ نے لڑائی کی تیاری شروع کی، حملے سے قبل، انگریزی فوج کا کپتان میجر لارنس چھ سو کی پلٹن کے ساتھ اس وقت ان کے لشکر میں داخل ہوا، جب کہ مظفر جنگ کا لشکر سامنے پڑا تھا، اس کے ہم راہ ایسٹ انڈیا کمپنی کونسل کا ایک ممبر اور ایک فوجی سردار ڈالٹن نامی بھی تھا، اور یہ لوگ اس لیے بھی بھیجے گئے تھے کہ کمپنی کے فوائد کو مدِّ نظر رکھ کر ناصر جنگ کے معاملے میں مشورے کریں، اور ہر کارروائی ان کے باہمی اتفاق سے طے پائے۔ جب یہ تینوں ناصر جنگ کی خدمت میں پیش ہوئے نواب صاحب نے ان کی خاطر کی اور بہت ہی اخلاق کے ساتھ گفت و گو کی۔ ایک مورخ لکھتا ہے کہ میجر لارنس سے اپنی فوج کی کمان کرنے کی بھی خواہش ظاہر کی اور دشمن پر فوری حملے کا حکم دیا۔ اس پر میجر نے کہا کہ فرانسیسی فوج ایک اچھے موقع پر کھڑی اور

---

[1] تاریخ فتحیہ (قلمی) ص۱۰۸ مملوکہ دفتر دیوانی سرکار عالی - ۱۲

اس کے ساتھ ایک بھاری توپ خانہ بھی ہے، اس لیے بہت سی سپاہ کے مارے جانے کا اندیشہ ہے، مناسب یہ ہوگا کہ ہم یہاں سے ہٹ کر پانڈیچری اور دشمن کی فوج کے درمیانی مقام سے جنگ کریں تاکہ غنیم کے لشکر کا تعلق اُدھر سے منقطع ہو جائے[1]۔
اس رائے کو سن کر ناصر جنگ نے کہا کہ :-

> "دشمن کا لشکر ہمارے بالکل روبرو ہے، اور میں آصف جاہ کا فرزند ہو کر، اس مٹھی بھر لشکر کے سامنے سے اپنی فوج کو کسی دوسرے رُخ لے چلنے کے لیے تیار نہیں ہوں، اور وہ بھی ایسے موقع پر جب کہ جانبین ایک دوسرے پر پل پڑنے کو آمادہ کھڑے ہیں؛ یقیناً یہ بزدلانہ حرکت بھاگنے کے مترادف ہے، میری رائے میں تو سامنے ہی سے دشمن پر حملہ کرنا مناسب ہوگا۔"

نواب صاحب کی اس رائے کو سُن کر، میجر لارنس نے کہا کہ جو مرضئ مبارک، بندہ خدمت گزاری کے لیے ہر طرح سے حاضر ہے۔ اس معرکہ میں شریک رہنے والوں نے لکھا ہے کہ اگر ناصر جنگ کی رائے کے مطابق حملہ کر دیا جاتا، تو ضرور اس میں کامیابی نصیب ہوتی، اس لیے کہ مظفر جنگ کی فوج میں انتشار اور فرانسیسی فوج میں بغاوت کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔

فرانسیسیوں کی اُس پہلی سلسلہ جنبانی کی وجہ سے (جس کا تذکرہ قبل لکھا جا چکا ہے) اس کے چند دن بعد، ناصر جنگ نے چاہا کہ فرنچ سپاہی میدان سے ہٹا لیے جائیں، اسی لیے اِن کے دیوان نے دو قاصد مع شرائط ڈوپلے کے پاس روانہ کیے، لیکن وہ ان پر آمادہ نہ ہوا اور جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ انگریزی فوج

---

[1] ہنری ڈاڈول کی کتاب ڈوپلے اور کلائیو ص ۶۳ ۱۲

ناصر جنگ کی مدد کے لیے آئی ہے تو سلسلۂ گفت وشنید منقطع کر دیا[1]۔ اس موقع کے کھو دینے سے بعد میں ڈوپلے کو بڑی پریشانی اٹھانی پڑی اور کفِ افسوس ملنا پڑا۔

فرانسیسی فوج کی عین میدانِ جنگ میں بغاوت

ناصر جنگ کا لشکرِ جرار مخالفین پر اپنا رُعب و سکّہ بٹھا رہا تھا، جس کی وجہ سے ان میں کافی ہراس وسراسیمگی پیدا تھی، اور ابھی پیش قدمی بھی نہ ہوئی تھی کہ، عین میدانِ جنگ میں فرانسیسی فوج میں آثارِ بغاوت پیدا ہو گئے۔ وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جو فرانسیسی افسر اور سپاہی، مظفر جنگ کے ہم راہ تنجور پر حملہ کرنے اور وہاں کے راجہ سے پیش کش وصول کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے، ان لوگوں نے مظفر جنگ کو زیرِ پیش کش دلانے کے بعد اُن سے اپنے لیے مقررہ "حق السعی" سے دُگنی رقم حاصل کرلی، اور جب لوٹ کر پانڈیچری پہنچے تو ان میں سے اکثر سپاہیوں اور افسروں نے رخصت لے کر لڑائی سے کنارہ کشی اختیار کرلی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈوپلے کو ان کی بجائے دوسرا دستہ مظفر جنگ کے ہم راہ بھیجنا پڑا۔ جس نے میدانِ جنگ میں پہنچ کر یہ عذر پیش کرنا شروع کیا کہ، ہمارے دوسرے ساتھیوں کو تو خوب مال ودولت ملے، اُدھر وہ آرام سے بیٹھے مزے اُڑاتے رہیں اور اِدھر ہم ان کی بجائے بغیر کسی مالی منفعت کے سر کٹا دیں جب تک کہ ہمیں بھی ان ہی کی طرح دوہرے حصّے اور پیشگی تنخواہیں نہ دی جائیں گی، ہم ہرگز تلوار اٹھانے کے لیے آمادہ نہیں۔ یہ رنگ دیکھ کر پانڈیچری سے "برے" نامی ایک افسر کو بھیجا گیا کہ وہ اِن باغیوں کو سمجھائے منائے، لیکن اُسے اپنے مقصد میں کامیابی ہو نہ سکی، صورتِ حال اس قدر نازک ہوگئی کہ سپاہیوں نے کہا، اگر اُن کے مطالبات ۲۴ گھنٹے کے اندر تسلیم نہیں کیے گئے تو وہ میدانِ جنگ

---

[1] ڈوپلے اور کلائیو ص ۲۴۰۔ ۱۲

چھوڑ کر چلے جائیں گے[1]۔ ڈوپلے کو جب یہ معلوم ہوا، تو اس کی پریشانی کی انتہا نہیں رہی، حکم بھیجا کہ ان کے سرغنہ کو پابہ زنجیر کر لیا جائے، جوں ہی کہ یہ شخص گرفتار کر لیا گیا، سبھوں نے ہتھیار ڈال دیے، اور ساری فرانسیسی فوج بغاوت پہ اُتر آئی، وقت اور موقع کی نزاکت سے فرانسیسی گورنر کو چشم پوشی اختیار کرنی پڑی، لیکن سپاہ میں برابر ابتری پھیلی رہی۔

میدانِ جنگ میں فرانسیسیوں اور انگریزوں کی باہمی جانبداری

جانبین کی تیار کھڑی ہوئی فوجوں کے، ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے ایک دن قبل، غالباً ۲، اپریل ۱۷۵۰ء کو ایک قابلِ نفرت بزدلانہ واقعہ پیش آیا، وہ یہ کہ فرانسیسی کمانڈر مسٹر ڈائیل نے خفیہ طور پر میجر لارنس[2] کے پاس ایک پیام بھیجا کہ:-

"اس وقت یورپ میں ہماری اور تمہاری قوم میں صلح اور اتفاق ہے، مگر یہاں بدقسمتی سے تم اور ہم اپنے اپنے نفع کے واسطے، دو غیر قوم شاہ زادوں کی امداد کی خاطر، مخالفانہ انداز میں ایک دوسرے سے لڑنے کے لیے کھڑے ہیں، چوں کہ مجھے اس میدانِ جنگ میں انگریزی فوج کس مقام پر متعین ہے، اس کا علم نہیں۔ اس لیے ہمیں اپنے مقام کا ٹھیک نشان بتلا دو، تاکہ فرانسیسی گولہ انداز اور سپاہی، اس طرف رُخ نہ کریں، اور میں یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ ہندوستانیوں کے لیے یوروپین خون بہایا جائے۔"

---

[1] ڈوپلے اور کلائیو صـ۶۳ ۱۲

[2] کتاب ڈوپلے اور کلائیو صـ۹۳ پر "کپتان کوپ" نام لکھا ہے۔ ۱۲

انگریز گورنر لارنس نے اس کا جواب بھیجا کہ :۔

"انگریزی توپ خانہ پر، انگریزی علم لہراتا رہے گا، اگر آپ توجہ سے کام لیں گے، تو آپ کو معلوم ہو سکے گا کہ انگریزی فوج کہاں کھڑی ہے۔ فی الحقیقت مجھے بھی ہرگز فرانسیسیوں اور انگریزوں کا خون بہانا منظور نہیں، لیکن اگر آپ کی جانب سے پیش قدمی ہوگی، تو اس کا جواب ضرور دیا جائیگا۔"

الغرض ۴۔ اپریل ۱۷۵۰ء کو لڑائی چھڑ گئی، اور توپ خانوں نے گولہ باری کر کے قیامت کا شور برپا کر دیا۔ ناصر جنگ نے اپنے سرداران فوج سے کہا کہ اس جرأت و جلادت سے جنگ کی جائے کہ آج ہی اس معرکہ کا فیصلہ ہو کر رہے۔ اس قدر جوش ان کے دل میں اُبھر آیا تھا کہ خود ہاتھی پر سوار، مردانہ وار مقابلے کے لیے بڑھے جا رہے تھے۔ اس اثناء میں مظفر جنگ کا "پیش لشکر دستہ" تیر و تفنگ لیے پیش قدمی کرتا چلا آرہا تھا، جو ایک گہرے نالے کے قریب پہنچ کر رُک گیا۔ اس کو دیکھ کر میر نجف علی خاں (پسر دوست علی خاں) نے، جو ایک بہادر و دلیر آدمی تھا، آگے بڑھ کر، ناصر جنگ سے عرض کی کہ اگر حکم ہو تو، مظفر جنگ تک پہنچ کر یہ جاں نثار مقابلہ شروع کر دے۔ یہ سن کر نواب صاحب نے منع کیا کہ آگے نہ جاؤ" نالہ عمیق ہے، اور اس سے عبور مشکل ہوگا، فی الحال مصلحت اِسی میں معلوم ہوتی ہے کہ آج صبر کر کے، صبح شدّت سے جنگ کی جائے۔ مغرب کے قریب تک فرانسیسی توپ خانہ نے گولہ باری کی، لیکن اس سے ناصر جنگ کی فوج کا کچھ زیادہ نقصان نہ ہو سکا بلکہ سرِ شام یہ گولہ اندازی بھی موقوف ہوگئی۔ کہتے ہیں کہ باہمی سمجھوتے کے باوجود، فرانسیسی توپ خانہ نے انگریزی فوج پر ایک گولہ پھینکا جس کا جواب ان لوگوں نے بھی دیا۔

مغرب کی نماز پڑھ کر پھر ناصر جنگ ہاتھی پر سوار ہوئے، اور فوج میں گشت لگا کر رات، ہوشیار، رہنے کی تاکید کی، اور شبخون کا خوف دلایا۔ اس عرصے میں مظفر جنگ کے توپ خانہ سے ایک گولا چھوٹا، اور ایک ہاتھی کے لگا، جس سے اس کا دانت اڑ گیا۔ اس پر سری رنگ پٹن کا ایک سردار سوار تھا، ہاتھی گولے کے صدمے سے گر پڑا اور اس سردار کے بھی چوٹ آئی۔ نواب صاحب نے اس کی مزاج پرسی کے لیے آدمی بھیجے۔ حکم دیا تھا کہ تمام سوار، گھوڑوں ہی پر رہیں، اگر تھک جائیں تو باری باری سے آدھے سوار، رہیں، اور آدھے آرام لیں۔ اس دلچسپی کے ساتھ اپنی فوج کی خبر گیری کرتے اور احکام دیتے ہوئے، جب آدھی رات گزری تو ناصر جنگ اپنے خیمہ میں چلے آئے اور افسران فوج کو لشکر کی حفاظت کی تاکید کی۔

مظفر جنگ کا ساتھ چھوڑ کر فرانسیسیوں کی فراری

ادھر میدانِ جنگ میں فرانسیسی افسروں نے اُسی بد دلی کی بنا، پر اپنے سپاہیوں کی جرأت بڑھانے کی بجائے، دشمن کی فوج کی کثرت اور دیگر مبالغہ آمیز باتوں سے اُنھیں خائف بنا دیا۔ جب رات کی تاریکی بڑھنے لگی تو ان میں سے تیرہ[1] سردارانِ فوج نے اپنے کمانڈر مسٹر ڈاٹیل کے پاس پہنچ کر اس عذر کے ساتھ اپنا استعفار پیش کر دیا کہ جو ماہوار امدادی رقم چنداصاحب سے ملتی ہے وہ ہمیں پیشگی دی جائے، اور اس کے تصفیہ کے بغیر میدانِ جنگ سے نکل آئے۔ اس علاحدگی سے مظفر جنگ کی سپاہ میں بھی خوف و ہراس طاری ہو گیا، اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ دشمن کے لشکر کی کثرت دیکھ کر فرانسیسی افسر نوکری سے علاحدہ ہو رہے ہیں۔ فرانسیسی سپاہیوں نے جب اپنے سرداروں کا یہ حال دیکھا تو وہ بھی میدان چھوڑ کر نکلنے لگے۔ مسٹر ڈاٹیل نے دیکھا کہ فوج لڑنے پر آمادہ نہیں ہے، اور جبراً لڑائی جائے گی تو

---

[1] ڈوپلے اور کلائیو صفحہ ۶۳ ۱۲

سوائے نقصان کے کچھ نہ ہوگا، خود بھی خوف زدہ ہوکر، خفیہ کیمپ سے اپنی ساری فوج لیے، پانڈیچری چلتا بنا۔ مظفر جنگ اور چندا صاحب سمجھاتے ہی رہ گئے۔ فرار ہونے کے عالم میں، فرانسیسیوں کی گیارہ توپیں اور چالیس گولہ انداز پیچھے رہ گئے۔

مظفر جنگ سے، چندا صاحب کی بے وفائی
فرانسیسیوں کو بھاگتا دیکھ کر خود اس کی بھی فراری

جب فرانسیسی فوج چلی گئی، اور مظفر جنگ کی سپاہ بھی اکھڑنے لگی، تو چندا صاحب نتیجۂ جنگ سے مایوس اور ناصر جنگ کی طرف سے اپنے انجام کار کو سوچ کر بے انتہا خائف ہوا، اس لیے اس نے بھی فرانسیسیوں کے نکلتے ہی، میدان سے فوراً ہٹ جانا، مناسب سمجھا، اور مظفر جنگ کو بھی بھاگ نکلنے کی ترغیب دی، مگر وہ پس و پیش میں رہے۔ ان کے مصاحبانِ خاص نے انھیں مشورہ دیا کہ، دکن کی صوبہ داری کی مسند پر بیٹھ کر لڑائی سے منہ موڑنا ایک دلاور رئیس کی شان کے خلاف ہے، اس وقت ثابت قدم رہنا ضروری ہے، چاہے کچھ ہی ہو۔ اس وجہ سے مظفر جنگ نے چندا صاحب کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ چندا صاحب میدانِ جنگ چھوڑنے سے قبل، مظفر جنگ سے گلے مل کر، اور اپنی وفاداری و محبتِ قلبی کا تیقن دلا کے روانہ ہوا، اور اس عملی غدر کو "مصلحتِ وقت" ثابت کرنے کی کوشش کی۔ عین رزم گاہ میں اس کی اس حرکت کے باوجود، مظفر جنگ کے دل میں، چندا صاحب کے خلوص و محبت کے متعلق، کوئی شبہ پیدا نہ ہوا[1]۔

ہم لکھ آئے ہیں کہ رات ہونے کی وجہ سے معرکہ رُک گیا، جب اِس کے ختم ہونے کے لیے چار گھڑی باقی تھے، ناصر جنگ کے لشکر میں یہ خبر پھیلی کہ مظفر جنگ

---

[1] کسی نے اس کے فرار ہونے کی تاریخ "چندا، بے عہد دغا داد" کہی ۱۲
۶۳ ۱۱ ۵
۱۱۶۴

فرار ہو گئے۔ یہ سُن کر نواب صاحب بہت برآشفتہ ہوئے' اور کہا کہ :-

"آبا و اجدادِ ما' کسے نہ گریختہ است کہ اُو خواہد گریخت[1]۔"

لیکن جب دن نکلا تو معلوم ہوا کہ چندا صاحب اور فرانسیسی بھاگ چکے ہیں صرف مظفر جنگ پانچ ہزار سوار اور پیادوں کے ساتھ میدان ہی میں ہیں۔ یہ سنتے ہی ناصر جنگ نے تیس ہزار سوار' اور تیس ہزار پیادوں کی ایک جمعیت کو فی الفور فرانسیسیوں کے تعاقب کے لیے روانہ کیا۔

مظفر جنگ کی شکست اور گرفتاری

مظفر جنگ' فرانسیسیوں اور چندا صاحب کے برتے پر' مقابلہ کے لیے آئے تھے' جب اپنے کو تنہا پایا' تو ان کے لیے خطاؤں سے معافی مانگنے کے سوا کوئی اور راستہ ہی نہ تھا' اس لیے انھوں نے بتاریخ ۲۶ ربیع الآخر ۱۱۶۳ھ اپنے ایک شتر سوار ایلچی (میر محمود بخشی[2]) کو شاہ نواز خاں کے پاس بھیجا' جو فوراً ناصر جنگ کی خدمت میں پہنچا دیا گیا۔ اس نے مظفر جنگ کی جانب سے نواب صاحب کی بارگاہ میں یہ معروضہ کیا کہ "آپ میرے بزرگ ہیں' اور میں خورد' اس لیے بہ لحاظ شفقتِ بزرگانہ' اپنے خطا کار بھانجے کا قصور خدا کے لیے معاف کر دیں"۔ لکھا ہے کہ ناصر جنگ نے اس موقع پر' جوشِ مسرت اور اپنی صاف باطنی کی وجہ سے' بے تامل اس ایلچی کے سامنے قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ " میں مظفر جنگ کو قید کروں گا' اور نہ اُن کو ان کی حکومت سے معزول کروں گا۔ جس پر کہ وہ اپنے نانا کے زمانے سے مامور ہیں"۔

مظفر جنگ کے ایلچی نے واپس ہو کر' ان کے سامنے یہ سارا ماجرا بیان کر کے انھیں' مطمئن کیا' یہ سنتے ہی وہ فوراً اپنے ماموں کے پاس چلے آئے' مگر ناصر جنگ کے خیمہ کے قریب پہنچتے ہی گرفتار کر کے سخت حراست میں لے لیے گئے۔

---

[1] راحت افزا، صفحہ ۸۹ ۔ ۱۲ [2] توزک والاجاہی ورق ۹۶۔

بعض مؤرخین یہ لکھتے ہیں کہ مظفر جنگ کا ایلچی آیا، تو انھوں نے ضرور ان کی نسبت نہایت مخلصانہ باتیں کہلا بھیجیں، اور اپنے دربار کے کسی امیر کو ان کی پیشوائی کے لیے بھیج کر بلانے کا قصد کیا، لیکن سید شریف خاں، اور رانات خاں نے نواب صاحب سے عرض کی کہ، جب جانبین میں جنگ ہو چکی ہے، اور ہم کامیاب رہے ہیں، تو اس طرح مظفر جنگ کا بلا لینا مناسب نہیں، اس لیے کہ ہماری فتح کی شہرت کی بجائے عام طور سے یہ مشہور ہوگا کہ آپس میں صلح ہو گئی ہے، جس سے حاصل شدہ فتح کی وقعت گھٹ جائیگی ۔ ناصر جنگ نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور شاہ نواز خاں و سید محمد دائم رسالدار "فتح رسالہ" کو حکم دیا کہ مظفر جنگ کی فوج کو منتشر کرکے اُن کو ہاتھی سمیت اپنے لشکر میں لے آئیں، اور ان کی دل جمعی کرکے ہماری ملازمت کا وعدہ دلائیں ۔"

اِس حکم کے ملتے ہی مظفر جنگ کی فوج پر حملہ کیا گیا، جس میں ان کے بہت سے آدمی مارے گئے، اور ناصر جنگ کے سواروں کی ایک جمعیت کے ہاتھ فرانسیسی گولہ انداز لگے، جس میں بہت سے فرانسیسی تہ تیغ ہو گئے، اگر اس موقع پر انگریز ان کو نہ بچاتے تو ان سب کو ناصر جنگ کے لشکری، تلوار کے گھاٹ اتار دیتے۔ الغرض فوج کو منتشر کرنے کے بعد، مظفر جنگ کو سمجھا منا کر لے آئے۔[1]

مرآۃ الصفا کا بیان ہے کہ جب مظفر جنگ ناصر جنگ کے پاس آئے تو انھوں نے شاہ نواز خاں کو حکم دیا کہ انھیں اپنے ڈیرے کے قریب اُتاریں، ہمارے پاس لانے کی ضرورت نہیں۔ مظفر جنگ محبوس کر لیے گئے، اور ان کا خیمہ شاہ نواز خاں کے خیمے کے قریب ایستادہ ہونے لگا۔ صاحب حدیقۃ العالم ناقل ہے کہ:—

---

[1] اس کی مزید تفصیلات کو کتاب "سوانح مظفر جنگ" میں بیان کیا جائیگا۔ ہنری ڈاڈول کہتا ہے کہ ناصر جنگ نے اپنی نام آوری کی بناء پر اس کو فتح تصور کیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک بغاوت تھی، جو فرد ہو گئی ص ۶۳

"ناصر جنگ، شاہ نواز خاں را کہ در سحر بیانی و تزویر، عدیل و نظیر نہ داشتند نزد مظفر جنگ فرستاد، ایں ہا بہ افسوں گری، مظفر جنگ را در لشکرِ نواب ناصر جنگ آوروند۔"

الحاصل مظفر جنگ کے گرفتار ہو جانے کے بعد بعض بہی خواہوں نے عرض کی کہ انھیں زندہ رکھنے کا یہ وقت نہیں، کیوں کہ ان کے وجود سے بہت سے فتنے جاگتے رہیں گے۔ لیکن ناصر جنگ نے اس مشورہ کو، اپنی رحم دلی، اور خود مظفر جنگ سے قرابتِ قریبہ کے باعث جو محبت تھی، اس کی وجہ سے قبول نہ کیا، اور آنے والے خطرات کی پروانہ کی[1]

---

[1] تزک والاجاہی ورق ۹۹۔ اس فتح کی تاریخ سنتوک رائے نامی ایک شخص نے حسب ذیل کہی ہے:۔

شکر ایزد کہ، فوجِ اہلِ بغی | خورد زخمِ شکست چندیں رنگ
شد زِ فتاحِ فضلِ حق، تاریخ | "فتح بابِ نبردِ ناصر جنگ"

خود ناصر جنگ نے، مظفر جنگ کی گرفتاری کے بعد، اس فتح کی خوشی میں یہ غزل لکھی۔

دمیدِ کوکبِ مسعودِ اوجِ دولتِ ما | نواختند بریں نہ رواق نوبتِ ما
عدو بحضرتِ ما، دست بستہ حاضر شد | چو رفت طاقتِ بازوئے او زہیبتِ ما
گریخت فوجِ نصاریٰ زِ صولتِ احمدؐ | نمود، شاہِ فرنگ، انقیادِ حضرتِ ما
زِ آتشِ غضبِ ما، بسوخت فوجِ عدو | سزائے آں کہ نتابد، سر، از ارادتِ ما
سپاہِ فتح و ظفر، پیش پیش می آید | بہ ہر طرف کہ خرامد، خجستہ رایتِ ما
ازیں ظفر کہ بتائیدِ غیب جلوہ نمود | رسیدہ است بآفاق صیتِ شوکتِ ما
ہمیشہ ہست ظفر، در رکابِ ما ناصرؔ | کہ ہست فضلِ الٰہی معینِ ہمتِ ما

پانڈیچری کے محاصرہ کے لیے ناصر جنگ کی......
روانگی تاکہ اپنی ہم شیر یعنی مظفر جنگ کی والدہ اور بیوی کو چھڑایا جائے

مظفر جنگ کے گرفتار ہو جانے کے بعد، ناصر جنگ نے میدانِ جنگ میں ایک دن اس لیے قیام کیا کہ زخمیوں کی مرہم پٹی اور دیکھ بھال ہو جائے۔ اس کے دوسرے روز اپنی ہم شیر (خیر النسا بیگم یعنی والدہ مظفر جنگ) اور ان کی بیوی کو فرانسیسیوں سے چھڑانے کے لیے پانڈیچری کی جانب چل کھڑے ہوئے، اور ایک ایسے مقام پر پہنچ کر نجف علی خاں کے مشورے سے مورچے قائم کیے، جو پانڈیچری سے دس میل کے فاصلہ پر واقع تھا[1]۔ فرانسیسیوں کا یہ مشہور قلعہ نہایت مضبوط اور محفوظ تھا، جس میں انھوں نے کافی سامانِ جنگ جمع کر رکھا تھا، کیوں کہ ان کا یہی سب سے بڑا مرکز تھا۔ فرانسیسیوں نے جب دشمن کو مقابل دیکھا تو قلعہ سے نہایت زور شور کے ساتھ گولہ باری شروع کی، جس کی وجہ سے ناصر جنگ کی فوج کے لیے مورچوں میں ٹکنا مشکل ہو گیا۔ نواب صاحب نے یہ حالت دیکھ کر نجف علی خاں کو طلب کیا، اور اس کے ہمراہ، محمد یعقوب خاں، نصیب یار خاں اور نجم الدین خاں، ہر سہ اشخاص کو مجموعی طور پر تین ہزار دو سو، سواروں کے ساتھ آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ ان لوگوں کے سوا، ناصر علی بیگ رسالدار کو دو ہزار کی جمعیت دے کر روانہ کیا، اور ساتھ ساتھ ناصر قلی خاں بخشی جزائل انداز اس کو دو ہزار جزائل اندازوں اور قاسم علی خاں کو پانچ قینچی بانوں اور پچاس بان اندازوں، اور مرادعلی خاں داروغۂ توپ خانۂ جنسیٔ شاہی کو بیس توپوں کے ساتھ بھیجا۔ یہ سب لوگ نجف علی خاں کے مورچوں میں پہنچ کر جمع ہو گئے۔ اس نے مقابلہ پر آگے بڑھنے کی جگہ ایک تدبیر سوچی، اور ان لوگوں سے کہا کہ، اتوار کا دن، عیسائیوں کی عبادت کا ہوتا ہے، اور یہاں

---

[1] تحفۃ الشعرا میں چھ کوس (۱۲ میل) فاصلہ لکھا ہے ۱۲

دو کوس کے فاصلہ پر ان کا گرجا ہے اور فرانسیسی قلعہ سے نکل کر وہاں جایا کرتے ہیں ایسے موقع پر ہم انھیں گھیر کر قتل کر دیں گے۔ اس کو سن کر، اس کی ہمراہی فوج کے سردار گھبرا اٹھے، اور ان لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس تجویز کی بنا پر تو ہم لڑائی میں تباہ ہو جائیں گے اس لیے شاہ نواز خاں کے پاس چل کر، نجف علی خاں کو اس تدبیر سے باز رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ چناں چہ یہ سب خانِ موصوف کے پاس گئے، اور ان سے صورت حال بیان کر کے کہا کہ "ہم اپنے آقا کے حکم کی تعمیل میں نجف علی خاں کے ساتھ تو ہیں، لیکن وہ بہت زیادہ جرأت سے کام لے رہے ہیں، جو خوف ناک ہے، اس لیے ہمارے لشکر کے سپاہی خائف اور اس طرح لڑنے کی ہمت نہیں رکھتے ہیں۔" یہ سن کر شاہ نواز خاں نے نجف علی خاں کو بلایا، اور اُس سے کہا کہ سپاہی ڈر رہے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمھیں اکیلا چھوڑ کر میدانِ جنگ سے بھاگ آئیں۔ شاہ نواز خاں نے ناصر جنگ کی خدمت میں بھی پہنچ کر یہ ماجرا سنایا جس پر نواب صاحب نے فوراً فوراً ہر افسر کے نام اپنے ہاتھ سے رقعے لکھ بھیجے کہ تم کو نجف علی خاں کی رفاقت کرنی چاہیے، ان لوگوں نے بظاہر رضامندی تو ظاہر کی، لیکن دل سے اس کو قبول نہ کیا۔

دوسرے دن نجف علی خاں نے نقشۂ جنگ کے مطابق لڑنے کی تیاری کی، اور اپنے ہم راہیوں کو رفاقت کے لیے پکارا، لیکن کوئی سوار نہ ہوتا تھا۔ چوں کہ خود ایک بہت ہی شجیع اور نڈر آدمی تھا، ان کی پروا کیے بغیر اپنی مختصر سی جماعت کے ساتھ (جس میں اُس کے دوست، رشتہ دار اور سپاہی شریک تھے) بڑی بے باکی سے مقابلہ کے لیے آگے بڑھ گیا۔ فرانسیسی کلیسا جانے کے ارادے سے باہر نکل چکے تھے، انھوں نے جب یہ دیکھا کہ ایک دستہ مقابلہ کے لیے تیزی سے بڑھا چلا آرہا ہے تو وہ بھی دلیری کر کے حریف پر دَوڑ پڑے۔ بڑے زور اور شور سے شام تک لڑائی ہوتی رہی، جس میں چند فرانسیسی

اور تلنگے مارے گئے۔ جب شام کی تاریکی چھانے لگی تو طرفین اپنے اپنے مقامات پر لوٹ آئے۔ کیمپ آکر نجف علی خاں نے ساتھ نہ دینے والے سپاہیوں اور سرداروں سے کہا کہ اب یہ رات کا وقت ہے، تم سب ہوشیار رہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ فرانسیسی شبخوں ماریں۔ آدھی رات کے بعد ناصر جنگ کی خدمت میں پہنچ کر سارا حال بیان کیا۔ تاکید کے باوجود پچھلی رات کے قریب جب کہ سپاہی غافل سو رہے تھے، اندیشہ کے مطابق، فرانسیسیوں نے شبخون مارا، اور خوب غارت گری کی، جو کچھ باقی ماندہ تھے، وہ سب فرار ہو گئے۔ صبح جب ناصر جنگ کو خبر ملی تو حکم دیا کہ کوئی مفرور ہمارے لشکر میں نہ آنے پائے۔ چوں کہ یہ ایک بہت چھوٹی سی جماعت تھی، جس کے بھاگنے کا اثر ناصر جنگ کی فوج پر کچھ نہ پڑ سکا۔

جس مقام پر نواب صاحب قیام پذیر تھے، یہاں جب غلہ کی کمی محسوس ہونے لگی اور بعض مشکلات پیش آنے لگیں، تو ناصر جنگ پانڈیچری کی تسخیر کے ارادے کو ترک کر کے، بلدۂ ارکاٹ روانہ ہو گئے۔

ناصر جنگ کا ساتھ دینے والے پٹھان نوابوں کی ان سے بد دلی، اور قتل کی سازش کا آغاز

منظفر جنگ سے مقابلہ میں، ناصر جنگ کے ساتھ ان کے ماتحت راجا، اور دوسرے سرداروں کے سوار کڑپا، کرنول، اور شاہ نور کے پٹھان نواب بھی شریک تھے، جو آصف جاہ اول کی فتح ارکاٹ کے بعد سے، سلطنت آصفیہ کے مطیع چلے آرہے تھے۔ اس لیے ناصر جنگ کی طلبی پر، تعمیل حکم میں ان کے ساتھ ان کو، کسی عذر و حیلہ کے بغیر، شریک جنگ ہونا پڑا۔ اب اس فتح کے موقع پر، اور مظفر جنگ کے گرفتار ہو جانے کے بعد، ان لوگوں نے اپنے خدمات کے صلہ میں بقایا خراج کی معافی کی درخواست کی۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ انھوں نے اسی امید پر ناصر جنگ کا ساتھ دیا تھا کہ وہ چڑھا ہوا، زر پیش کش معاف کر کے ضرور ان کو کچھ علاقہ بھی مرحمت

کردیں گے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان ہی توقعات کی بناء پر، ان لوگوں نے مظفر جنگ کو بھی سمجھا منا کر ناصر جنگ کی اطاعت پر آمادہ کیا تھا، لیکن نواب صاحب نے جب اس خیال سے ان کی درخواست پر کوئی توجہ نہ کی کہ ان لوگوں نے اپنا حق ادا کیا ہے، اور اس معمولی جنگ میں کوئی ایسا کام بھی انجام دینا نہیں پڑا ہے جو اس رعایت کا ان کو مستحق قرار دے، تو یہ بہت مایوس ہوئے۔

ہمارے نزدیک اِن پٹھانوں کا مظفر جنگ کو اطاعت پر آمادہ کرنے کے لیے کوشش کرنا مسلم نہیں، اس لیے کہ اس عہد کے دوسرے مورخین کے بیانات سے اس کی کہیں تصدیق نہیں ہوتی۔

ایک تاریخ نے اس امر کو بیان کیا ہے کہ ان کے رنج و غم کا باعث، اور ناصر جنگ سے بغض و کینہ کا سبب یہ ہوا کہ، ناصر جنگ نے مظفر جنگ کے اطاعت قبول کر لینے پر، امراء اہلِ دربار، اور اِن پٹھانوں کے روبرو قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر حلف کیا تھا کہ وہ انہیں نہ قید، اور نہ کسی قسم کی اُن کے ساتھ تدارک کی کارروائی کریگے لیکن انھوں نے مظفر جنگ کے ہاتھ آتے ہی، وہ سارے وعدے فراموش کر دیے، اور ان کے پانو میں بیڑیاں ڈال دیں، جس کی وجہ سے اِن پٹھان نوابوں کو سخت غصہ آیا، چناں چہ اِن لوگوں نے ایک دفعہ ناصر جنگ کے روبرو ہی، اس بے وفائی کی شکایت کر دی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جب ان پٹھانوں نے اپنے مطالبات منظور ہوتے نہ دیکھے، تو خواہی نخواہی مظفر جنگ کے ساتھ بدسلوکی کے واقعے کو اپنی شکایتوں کی دست آویز بنایا، یہ لوگ فطرۃً سخت لالچی، خائن، غدار، اور حریص تھے، جب اپنا کام بنتا نظر نہ آیا تو آپس میں اُن کو سازش کے ساتھ قتل کرا دینے کی فکر کی، اسی لیے موقع ملنے تک بظاہر طرف دار بنے رہے۔[1]

---

[1] حضرت آصف جاہ اول کے اکثر و بیشتر خطوط اور عرائض دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ یہ پٹھان ان ہی کے (بقیہ بر صفحہ ۱۰۴)

سازش کے مقصد سے ڈوپلے کا بظاہر صلح کی خاطر...... ناصر جنگ کے دربار میں نامۂ پیام اور کسی فرنگی سردار کی لڑکی سے شادی کا لالچ

ادھر ڈوپلے، مظفر جنگ کے گرفتار ہوجانے، چنداصاحب اور فرانسیسی فوج کے فرار ہوجانے سے نہایت رنجیدہ خاطر ہو رہا تھا، کہ اُس نے کمپنی کا بے دریغ روپیہ، مظفر جنگ کی کامیابی کی توقع میں، خرچ کیا، لیکن ان کی شکست و گرفتاری کی وجہ سے اس کی ساری توقعات پامال ہوگئیں، مایوس ہونے کی بجائے، اُس نے پہلے تو اپنے رنج و غم پر انتہائی صبر سے ضبط کیا، اور پھر تلافیٔ مافات کی تدبیریں سوچیں، چوں کہ وہ دیسی نوابوں، اور ان کے درباروں کے رنگ ڈھنگ، امرا کے مزاج، اور چال چلن سے بخوبی واقفیت رکھتا تھا، اسی لیے ناصر جنگ کے لشکرِ جرار کے مقابلہ میں اپنی کامیابی کی صرف ایک صورت دیکھی، وہ یہ کہ ناصر جنگ کے دربار کے حالات و واقعات معلوم کر کے، اہلِ دربار اور امراء سے ان کے قتل کی سازش کی جائے اور مظفر جنگ کو رہائی دلا کر، دکن کی مسند پر بٹھا دیا جائے، چناں چہ اپنی اس تدبیر کو

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) دور میں کس قدر سرکش تھے کہ صرف ان کے تدبر اور بہترین صلاحیت نے ان کو دبائے رکھا تھا۔ حضرت مرحوم کی زبان سے ان کے کردار کو واضح کرنے کے لیے بطورِ ثبوت ایک خط کا اقتباس یہاں پیش کرنا مناسب ہوگا:-

"خیانت پیشگانِ حرام نمک، عبدالنبی خاں، و بہادر خاں و پسرانِ دلیر خاں، از مدت دہ پانزدہ سال بدست آویزیٔ خدمات، دریں سرزمین، مثل شجرِ ملعونہ ریشۂ دخل و تصرف دوانیدہ، از خالی بودنِ عرصہ ہمیشہ آب بے لگام خوردہ، مطلق العنان بودہ اند......... از ابتداے تقررِ خدمات، تا حال، ہر سال از خالصۂ والا و پالاگیران (پالیگاران) و محالاتِ جاگیر صوبہ دار و مرحوم دیگر، مبلغ ہائے خطیر بوصول درآوردہ، از فسادِ طینت و خرابیٔ نیت یک حبہ عائدِ خزانہ، نہ نمودہ اند۔ و تغلب و تصرفِ ایں طائفۂ معریٰ از دین و ایمان، مبلغ ہائے کلی است......... الحال نظر برضرورت، تجدیدِ انتظام مہامِ ایں ضلع، رسیدن بہ ایں جانب، بہ ایں سرزمین شدہ، مانند روباہ می خواہند بلطائف الحیل بسر برند......... ہر چند رویۂ آں ہا، از طریقۂ ایمان و راستی خارج است، و واجب التنبیہ و القتل شدہ، چوں اسلام دارند، مراعات نمودہ می شود"۔ (رقعات موسوی خاں قلمی ص ۱۶۲)

عمل میں لانے کے لیے اس نے مکارانہ طریقہ پر، رئیسِ دکن کے دربار میں سلسلہ جنبانی شروع کی۔ ابتدائہ تو ناصر جنگ کی خدمت میں چند تحائف کے ساتھ ایک عرضی بھیجی، جس میں لکھا تھا کہ :-

"آپ کے اور ہمارے درمیان جس شخص کی وجہ سے رنج پیدا ہوا تھا، وہ میری قوم کا جانی دشمن، انورالدین خاں تھا، اس کے فساد کو مٹانے کے لیے، مجھے چندا صاحب اور مظفر جنگ کو دوست بنانا پڑا، جن کی مدد سے وہ مارا گیا، اور اب میرا اعتقاد، اتحاد سے بدل گیا ہے، چناں چہ میں نے آپ کی خاطر، فوج کو تنجور، اور ترچنا پلی پر حملہ نہیں کرنے دیا ہے، اسی لیے اب آپ مظفر جنگ کو اُن کے صوبے پر مامور فرما دیجئے، اور چندا صاحب کا قصور معاف کرکے اُسے کرناٹک کی نوابی مرحمت کیجئے، اس کا بیٹا تلنگوں کی جمعیت کے ساتھ آپ کے ہم رکاب رہے گا۔ اور ارکاٹ کو انورالدین خاں کے عہد کے مطابق ہمیں ٹھیکہ پر دے دیجئے، ہم اس کی رقم میں کچھ اضافہ کردیں گے، بلکہ اگر آپ رضامند ہوجائیں تو حیدرآباد کے ساہوکاروں کی ضمانت بھی دلادیں گے۔ چونکہ پانڈیچری ارکاٹ کی سرزمین پر واقع ہے، اس لیے اس کی سند بھی ہم کو عطا فرمادیجئے، ہم آپ کی سرکار کا جھنڈا، وہاں بدستور اڑاتے رہیں گے۔"

تاریخ راحت افزا کا بیان ہے کہ، اس کے سوا، عرضی میں یہ بھی درج تھا کہ :-

"اگر نواب صاحب چاہیں تو کسی فرنگی سردار کی دختر سے ان کی شادی بھی کرادی جائے گی۔"[1]

---

[1] تاریخ راحت افزا قلمی ص۹۲ ۱۲

کہتے ہیں کہ اس عرضی کے وصول ہونے پر، حاضرینِ دربار کی اکثریت نے (جن میں شاہ نواز خاں، سید لشکر خاں نصیر جنگ، محمد انور خاں، اسلم خان سید شریف خاں شجاعت جنگ، امانت خاں اور رضوی خاں وغیرہ شریک تھے) قبول کر لینے کی رائے دی۔

اس واقعہ کی نسبت صاحب تحفۃ الشعراء نے نہایت اہم تفصیلی حالات لکھے ہیں وہ تحریر کرتے ہیں کہ، جب ناصر جنگ ارکاٹ چلے آئے تو تمام امراء اور مقربین دربار کو طلب کر کے فوج داری ارکاٹ کے انتظام کی نسبت اور فرانسیسیوں سے صلح و جنگ کے بارے میں مشورہ کیا، تو :—

"سید لشکر خاں بہادر نصیر جنگ (ترتیب یافتۂ جناب رکن السلطنۃ آصف جاہ) و سید شریف خاں بہادر شجاعت جنگ، (سردارانِ کہن سال عالم گیری)، و وزیر صائب تدبیر مدار المہام شاہ نواز خاں بہادر، باتفاق بہ عرض رسانیدند کہ بہ عونِ عنایتِ ایزدی چنیں فتحِ عظیم، نصیبِ اولیائے دولتِ قاہرہ گردید، و مخالف ذلیل و اسیر گشت، و موسی تلبیس (سردارِ فرنگیاں) وکیل معتبرِ خود را با تحف و ہدایائے بسیار، بہ حضور فرستادہ عجز و زاری دارد، و عہد و شرط درمیان می آرد، کہ من بعد بہ قدم مخالفت وادیٔ عصیان نہ پیماید۔ از روئے ترحم، گناہ آن مجرمِ مقید (یعنی مظفر جنگ) عفو کردہ، و از نوازشاتِ عالی، بہ فوج داریٔ ارکاٹ سربلند شود، زرے کہ مقرر است، سال بہ سال خواہد فرستاد۔"

چوں کارپردازانِ عالمِ تقدیر، بندوبستِ دیگر داشتند، مصلحت و مشورتِ معقولِ خیر خواہاں، بہ سمعِ رضا، مقبول نہ گشت، و بعد از چند روز سید لشکر خاں بہادر، نصیر جنگ صوبہ دار اورنگ آباد، و سید شریف خاں بہادر شجاعت جنگ صوبہ دار برار،

رخصت یافتند کہ بہ تعلقہ خود ہا رفتہ، بہ حفظ و حراستِ آں ضلع پردازند۔
.... موسیٰ لمبیس .... پیغام مصالحہ بوسیلۂ مدارالمہام
شاہ نواز خاں بہادری نمود۔ تا روزے خانِ بہادر مسطور، بہ عرض رسانید کہ
مدتِ یکسال دریں مہم منقضی گشت، بندوبست ملکتِ دیگر از دست رفت
...... بہ عقلِ فدویِ خیر خواہ آں چہ در صلاحِ ملکی، بہ صواب اقرب است
آن است کہ عفوِ تقصیرِ فرنگیاں کردہ، انورالدین نماں (یعنی محمد علی خاں)
را، از عہد و پیمان بہ آں ہا یک دل ساختہ، علمِ مراجعت بہ دارالملکِ خود
باید افراشت۔ از سخنانِ مصلحت آمیز وزیرِ نیک اندیش، گران خاطر گشتہ
برآشفت۔ بر زبانِ مبارک آورد کہ این ہمہ اصرار و تکرار، برائے صلح از خوف و
ہراسِ فرنگیاں خواہد بود۔ مدارالمہام نیز آزردہ خاطر گشتہ، لب بہ جواب
کشاد کہ از راہِ دولت خواہی، آں چہ بہ دریافتِ ناقص آمدہ بود، عرض نمود،
الحال کہ بخاطرِ اقدس چناں راہ یافتہ، آئندہ اگر حرفے در مقدمۂ صلح و
جنگِ فرنگ، بر زبان آورد سوگند است، چناں چہ ہمیں قسم بہ عمل آورد"[2]
ناصر جنگ کے خیالات کو سب سے زیادہ برگشتہ کرنے والا، اور صائب
و متفقہ رائے پر عمل کرنے سے، باز رکھنے والا شخص، قاضی محمد دائم تھا، جس نے، اِن
سب کے خلاف نہایت جسارت سے ان کی خدمت میں عرض کی کہ، اس عرضی کا
قبول کرلینا درست نہیں ہے، سرکار کے جرار لشکر کے مقابل اُن کے قدم ٹک نہیں سکتے،
اور وہ مظفر جنگ کے قید ہو جانے، اور خود فرانسیسی فوج کے میدان جنگ چھوڑ کر
بھاگ جانے کی وجہ سے بہت زیادہ خائف ہو چکے ہیں، اور قریب ہے کہ وہ پانڈیچری

---

[1] صاحب توزک والاجاہی نے سید لشکر خاں کے چلے جانے کا سبب ناصر جنگ کی خود رائی کو قرار دیا ہے ورق ۷۱
[2] تحفۃ الشعراء (قلمی) صـ۳ ۱۲

بھی چھوڑ کر بھاگ نکلیں، اسی لیے انھوں نے مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی ہے، اور ان کی ایسی شرائط کا منظور کر لینا مناسب نہ ہوگا۔ ناصر جنگ نے یہ سنکر، عرضی کا جواب نہ بھیجا، اور صلح کی طرف مائل نہ ہوئے، بلکہ جو تحائف بھیجے گئے تھے، وہ ڈوپلے کو واپس کر دیے گئے۔

اِس پہلی درخواست کا جواب وصول نہ ہونے کے باعث، ڈوپلے کے لیے ناصر جنگ کے دربار سے تعلق جاری رکھنے، اور سازشی جال پھیلانے کے رستے کھل گئے اور اس سے اُس کا مقصد ہاتھ آ گیا، یعنی نامہ و پیام کے حیلے سے اُسے ناصر جنگ کے دربار میں، اور ان کے اُمراء کے پاس اپنے جاسوسوں کو بھیجنے کا موقع ملتا گیا۔

ڈوپلے کی دوسری عرضی ناصر جنگ کے دربار میں، اور فرانسیسی سفیروں کی آمد

چناں چہ اُس نے جواب نہ ملنے کی وجہ سے دوسری عرضی بھیجی جس میں لکھا کہ :-

"میں جانتا ہوں کہ آپ کا مزاج صلح کی طرف مائل ہے، اور فرانسیسی لشکر کے میدانِ جنگ سے چلے آنے کی نسبت، آپ کی خدمت میں، یہ جو عرض کیا جا رہا ہے کہ وہ شکست کے ڈر سے فرار ہو گیا تھا، بالکل غلط ہے، اور یہ آپ کے ناعاقبت اندیش مصلاح کاروں کی بے ایمانی ہے۔ انہیں آپ اپنے پاس سے علیحدہ کر دیجئے۔ میں نے تو آپ کے صلح پسندانہ مزاج کو جاننے کی وجہ سے، اور طرفین میں خوں ریزی نہ ہونے کے خیال سے اس کو طلب کر لیا تھا[1]۔ اور فرانسیسی فوج پر بھاگنے کا یہ الزام اس وجہ سے بھی غلط ہے کہ اس لشکر پر اس کی واپسی کے وقت آپ کی سپاہ نے جو حملہ کیا تھا اس کے جواب میں فرانسیسیوں نے آپ کے حملہ آوروں کو

---

[1] ڈوپلے اور کلائیو ص ۶۴ ۱۲

جو بے دریغ کاٹتا ہے' وہ اس کی جرأت و بہادری کا کافی ثبوت ہے جس کو آپ کا لشکر بخوبی جانتا ہے۔ فوج کو واپس بلا لینے کا سب سے بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ آپ سے صلح کر لینے کا جلد موقع مل جائے۔ اب عرض یہ ہے کہ اس صلح کی درخواست سے متعلق عرض معروض کرنے' اور آپ پر حقیقی حالات واضح کرنے کے لیے مجھے سفیر بھیجنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔"

ناصر جنگ نے ڈوپلے کی اس دوسری درخواست پر توجہ کی' اور اس کو سفیر بھیجنے کی اجازت دے دی' اس نے اپنی کونسل کے دو ممبر' ان کی خدمت میں بھیجے جس میں ایک شخص "ہنری ڈی لاچ" تھا' جو فارسی زبان نہایت روانی کے ساتھ بولتا تھا' اور دوسرا "ڈدیو" تھا' جس کا انتخاب اس وجہ سے ہوا تھا کہ وہ نواب نظام الملک کی خدمت میں بہ مقام تنجور' سفیر بنا کر بھیجا جا چکا تھا۔[1] یہ سفراء آئے جنھیں بحث و مباحثہ کے لیے اولاً دیوان کے پاس بھیجا گیا' اور انھوں درخواست کی کہ اگر فی الحال مظفر جنگ قید سے رہا نہیں کیے جا سکتے' تو ان کے بیٹے کے نام باپ کا سارا علاقہ (ادھونی) بحال فرما دیا جائے' اور چندا صاحب کو' یا صفدر علی کے چھوٹے بیٹے کو کرناٹک کی نوابی سے سرفراز فرمایا جائے۔[2] جس پر ناصر جنگ کے کارپردازوں نے ان سے کہا کہ چندا صاحب کے لیے کچھ نہیں ہو سکتا' اس لیے کہ انور الدین خاں کے بیٹے محمد علی کو وہاں کا نواب مقرر کر دیا گیا ہے۔ اور مظفر جنگ سے متعلق ان لوگوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ کیونکہ ان کے معتوب اور قید ہونے کی وجہ سے (کہیں ان کے ساتھ موافقت کا شبہ نہ ہونے پائے) ناصر جنگ سے عرض کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ اس طرح فرانسیسی سفیر آٹھ روز تک یہیں رہے' اور اس عرصہ مدت میں انھوں نے

---

[1] ڈوپلے اور کلائیو صفحہ ۶۲ ۔ ۱۲ [2] ڈوپلے اور کلائیو صفحہ ۶۳ ۔ ۱۲

اپنا اصل مطمح نظر حاصل کر لیا۔ یعنی تجسس کے بعد یہ معلوم کر لیا کہ کڑپہ کرنول اور شاہ نور کے پٹھان، ناصر جنگ سے بدلے ہوئے ہیں، اس لیے ان لوگوں نے چھپ چھپ کر، اُن پٹھان نوابوں سے ملاقات کی۔ جب ان کو اپنا ہم مقصد پایا تو اپنے بھی ارادے ظاہر کر دیے۔ ان سبھوں نے مل کر، ناصر جنگ کے قتل کے سازشی منصوبے سوچے، اور یہ طے کیا کہ بقیہ کارروائی انتہائی راز داری کے ساتھ خط و کتابت کے ذریعے تکمیل تک پہنچائی جائے گی۔

انگریز کمانڈر کا ناصر جنگ کو اُن کے قتل کی سازش سے آگاہ کرنا، لیکن مترجم کا کمانڈر کے مطلب کا غلط ترجمہ عرض کرنا

ان ریشہ دوانیوں کا بعض لوگوں کو ضرور کچھ نہ کچھ پتہ چل چکا تھا، اور سب سے زیادہ انگریزوں نے (فطری طور پر کہ کہیں ہمارے حریف ہم سے نہ بڑھ جائیں ان فرانسیسی سفیروں کی اقامت کے زمانے میں) ان کی کافی خبر رکھی، چنانچہ اس جستجو کا نتیجہ یہ نکلا کہ، ان سازشی ارادوں کی اطلاع، بہت جلد انگریزی نمایندے میجر لارنس کو مل گئی، جو ابھی تک نواب صاحب کے ہمراہ تھا۔ میجر نے ایک دن موقع پا کر ناصر جنگ سے اثنائے ملاقات میں ہمت کر کے اس واقعے کو ظاہر کرنے کی کوشش کی، چونکہ وہ فارسی یا دیسی زبان نہیں جانتا تھا، اس لیے دورانِ گفتگو میں ایک ترجمان واسطہ بنا رہا۔ میجر نے تو سنے ہوئے سب واقعات انگریزی زبان میں، نواب صاحب سے بیان کرنے شروع کیے، لیکن مترجم نے شاہی آداب سے ڈر کر (کہ وہ بادشاہِ وقت کے قتل کی باتیں، جن کا ذکر بھی مشرقی درباروں میں شگونِ بد سمجھا جاتا ہے) خود ان ہی کے روبرو کس طرح بیان کرے ہمت نہ کی، اس لیے ناصر جنگ سے لارنس کی گفتگو کا غلط اور بے تکا ترجمہ عرض کرنا شروع کیا جس کی وجہ سے نواب صاحب سازش کی حقیقت سے بالکل آگاہ نہ ہو سکے، اور میجر لارنس کے لیے اس کے سوا کوئی صورت ہی نہ تھی، اس لیے کہ ان تک کوئی عریضہ راست نہیں پہنچ سکتا تھا، اور نہ کوئی شخص، دیوان یا دیگر مقربین کے بغیر اُن سے تنہائی میں ملاقات کر سکتا تھا، جو رات دن اُن کے اطراف حاضر رہا کرتے تھے، انگریزوں کی

یہ ہمدردی صرف اس وجہ سے تھی کہ ان کے مفادات ناصر جنگ کے وجود سے وابستہ تھے، اور فرانسیسیوں کے مظفر جنگ سے ۔ اس سلسلہ میں لارنس کا خیال تھا کہ شاہ نواز خاں مدار المہام بھی اس سازش میں فرانسیسیوں کے شریک حال ہیں اس کی یہ سوئے ظنی اس وجہ سے تھی کہ انھوں نے ابتدا ہی سے انگریزوں کے مقاصد کو پورا ہونے نہ دیا تھا، اور یہ لوگ ان کے سخت مخالف اور دشمن بن گئے تھے ۔

غرض، جب فرانسیسی ایلچی ناصر جنگ کے دربار سے بہ ظاہر ناکام، لیکن ...... فی الحقیقت سازش کا دام پھیلا کر کامیاب واپس ہوئے، تو ڈوپلے نے اپنے قومی اثر اور رسوخ کو بڑھانے کے لیے مختلف تدبیریں سوچیں اور سازش کا نتیجہ حاصل کرنے کے لیے عملی اقدام کا ارادہ کیا، اور ادھر چنداصاحب نے بھی فوج جمع کرنی شروع کر دی ۔

بعض تاریخیں راوی ہیں کہ ڈوپلے نے اس باغی فوج کو قابو میں کرنے کے لیے اولاً تو اس کو اپنے حدود سے باہر مقام "والو داور" کے قریب ٹھہرایا، بعد کو، اس کی بے وقعتی، اور اس سے فرار ہونے کے الزام کو دور کرنے کے واسطے مناسب یہ سمجھا کہ پھر مسٹر ڈاٹیل (ڈی آٹیل) ہی کی سرکردگی میں ان ہی سپاہیوں کو جمع کر کے اچانک ناصر جنگ کے لشکر پر دھاوا بول دیا جائے ۔ چناں چہ کپتان ڈاٹیل نے "لاٹوش" کے تحت ان کے کیمپ پر پچھلی رات کے وقت شبخون مارا[1] ۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کوئی خاص اثر ناصر جنگ کی فوج پر نہ ہو سکا، اسی لیے ہماری تاریخیں اس کا تذکرہ نہیں کرتیں ۔

انگریزوں کا ناصر جنگ سے ملک طلب کرنا اور درخواست نامنظور ہونے کی وجہ سے انکی علیحدگی

مظفر جنگ سے جس مقام پر معرکہ ہوا تھا نواب صاحب کے وہاں قیام کے زمانے میں جب بارش شروع ہوگئی اور باندی چڑھی اور اس کے اطراف واکناف میں ریگستان کی وجہ سے چوں کہ چلنا پھرنا مشکل ہو جاتا ہے ۔ اسی لیے برسات کا موسم

[1] ڈوپلے اور کلائیو صفحہ ۲۶ ۱۲

گزارنے کے لیے ناصر جنگ ارکاٹ جانے کے واسطے نکل رہے تھے کہ ایک واقعہ پیش آیا۔[1]

یعنی یہ کہ اس وقت تک جو انگریزی فوجی دستہ، کپتان لارنس کے زیر کمان ناصر جنگ کی فوج میں موجود تھا۔ اس نے بھی اپنی قوم کی جانب سے، فوجی خدمات کے صلے میں نواب صاحب سے درخواست کی کہ وہ انگریزوں کو مدراس کے قریب اس علاقہ کی سند مرحمت کر دیں جو محمد علی نے انہیں دی ہے۔ کہتے ہیں کہ ناصر جنگ نے اس پر رضامندی ظاہر کی، لیکن شاہ نواز خاں دیوانِ دکن، اس کی منظوری کے خلاف ہو گئے ان کا استدلال یہ تھا کہ انگریزوں کو اوّل خود ہماری فوج کو مظفر جنگ کے مقابلہ اور ان کی گرفتاری میں کوئی قابلِ لحاظ زحمت اٹھانی پڑی، اور نہ انگریزی دستے ہی کو نمایاں خدمات بجا لانے پڑیں، جس کے معاوضے میں، اسے کوئی علاقہ یا اس کی سند دی جائے، اور پھر ایسی سند دینے کا اقتدار سوائے شہنشاہِ دہلی کے، کسی کو حاصل نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ، اس بحث و مباحثہ کے باعث انگریزی درخواست معرضِ التوا، میں پڑ گئی۔ شاہ نواز خاں انگریز ہوں خواہ فرانسیسی کسی کو بھی، کسی علاقہ کا عطا کیا جانا، سخت ملکی مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے۔

جب کچھ دن گذر گئے، اور میجر لارنس کو کوئی جواب باصواب نہ ملا، تو بہت جھنجلایا، اور شدت کے ساتھ اپنی درخواست کے تصفیہ پر جب اصرار کرنے لگا، تو کہا گیا کہ تم اپنی جمعیت لیے ہوئے نواب صاحب کے ہمراہ ارکاٹ چلو، وہاں تمہاری درخواست پوری کی جائے گی، لیکن اس نے ناصر جنگ کے ساتھ چلنے پر اس وجہ سے رضامندی ظاہر نہیں کی کہ اس کو اس بات کا ڈر لگا تھا کہ اگر وہ ارکاٹ چلے گا، تو انگریزی کوٹھی اور اس کے رقبے پر فرانسیسی حملہ کر دیں گے مگر اپنے اغراض و مفاد کا اخفا کر کے نواب صاحب کی خدمت میں یہ عرض کی کہ ہمارا ارکاٹ چلنا کچھ زیادہ مفید نہ ہوگا، بلکہ ہم اپنی جگہ

---

[1] تزک والاجاہی کا مؤلف نواب صاحب کا ارکاٹ کو بھی جانا سازشیوں کی چال بازیوں کی بنا پر تصور کرتا ہے صفحہ ۱۲

رہ کر آپ کے غنیم کی فوجی کارروائیوں کو روکتے اور اُسے قصبات سے سپاہ بھرتی نہ کرنے دیں گے۔ اس کے سوا رسد کے رستے بھی منقطع کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ دشمن بے بس ہو کر صلح پر مجبور ہو جائے۔ لیکن جب اس گفتگو کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا، تو میجر لارنس بگڑ کر، اپنی ساری فوج لیے ہوئے قلعہ سینٹ ڈیوڈ لوٹ گیا، جو انگریزوں کا ان دنوں مستقر تھا۔

انگریزوں کے ان واقعات کو ان ہی کے ایک مؤرخ کی زبان سے سنئے جس کو اس نے زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے، اور حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ وہ کہتا ہے:—

"انگریزوں نے میجر لارنس اور کمپنی کے ایک ملازم "فاسٹ ویسٹ کوٹ" اور ایک دیسی مختار مسمیٰ "حاجی ہادی" کو اس غرض سے ناصر جنگ کے پاس سفیر بنا کر بھیجا کہ محمد علی نے جو عطیات قلعۂ سینٹ ڈیوڈ اور مدراس کی کمپنی کو دیے ہیں، وہ اُن کی بہ حیثیتِ والیٔ دکن، توثیق کر دیں، نیز ان سے تعلقہ پوناملی کو (جو مدراس کے کے گرد و پیش واقع ہے) بہ طور عطیہ طلب کریں تاکہ ان کی آمدنی سے انگریز اس قدر فوج مہیا رکھ سکیں، جس سے فرانسیسیوں کی روک تھام ہو سکے، اس کے سوا، نواب صاحب انگریز گورنر "فلویر" کو جس طرح کہ ڈوپلے کو (مظفر جنگ نے) ظفر جنگ کا خطاب دیا ہے، ایسا ہی یا اس سے اعلیٰ خطاب و جاگیر سرفراز کریں تاکہ وہ اس حیثیت کو باقی رکھ سکے۔"

انگریزوں نے تحائف میں ناصر جنگ کو فونٹن پن پیش کیا

یہ ارکان سفارت ۷، اپریل ۱۷۵۰ء کو نواب صاحب کی خدمت میں بیش قیمت تحائف کے ساتھ حاضر ہوئے، کہتے ہیں کہ اس میں ایک فونٹن پن بھی تھا، جس سے ناصر جنگ نے بادشاہ انگلستان کے نام ایک فخریہ خط لکھا، یہاں ان سفیروں کی کافی آؤبھگت کی گئی، جس سے یہ لوگ بہت خوش ہوئے، اور ۱۰، اپریل کو انھوں نے گورنر کو مطلع کیا کہ ناصر جنگ نے

فرانسیسیوں کا خط ہماری غیر موجودگی میں کھولنا پسند نہیں کیا۔ پھر اس کے تیسرے دن مطلع کیا کہ ہمارے مسائل نہایت سستی کے ساتھ چل رہے ہیں، تجربہ بتلاتا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں بے حد صبر کی ضرورت ہے۔ یہاں ہمیں یہ قوی شبہ بھی محسوس ہو رہا ہے کہ فرانسیسی دربار کے چند امراء کو اپنا طرف دار بنانے کی سعی میں لگے ہوئے ہیں[2]۔"

"پھر ان سفیروں نے یکم مئی کے روزنامچہ میں لکھا کہ" اگرچہ ناصر جنگ نے ہماری درخواست سے اتفاق کرلیا تھا، مگر آج وہ ساری فوج سمیت ہم سے چھ میل جانب جنوب ارکاٹ چلے گئے ہیں۔"

انگریزوں کے ملک طلب کرنے پر خود ایک انگریز مؤرخ کی رائے

ان حالات کی نسبت یہ انگریز مؤرخ تسلیم کرتا ہے کہ" اس بات میں شک نہیں کیا جا سکتا کہ انگریزوں کے خدمات کوئی بڑے انعام کے مستحق نہیں تھے، اس کے سوا انھوں نے جو فوجی مشورہ دیا تھا وہ ناقابل عمل تھا پھر فرانسیسیوں کے فرار ہونے کے وقت ان سے تعاقب کرنے کے لیے کہا گیا، جس سے انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ وہ فرانسیسی حدود میں داخل ہونے سے مجبور رہیں ناصر جنگ کے تنجور سے پیش کش وصول کرنے کے موقع پر بھی انھوں نے مدد نہیں کی۔ ۲۰ اپریل کو "ڈانڈی واشش" (وندیواشس) کے حملے میں بھی اپنے شرائط کی منظوری کے بغیر شرکت پر رضامندی ظاہر نہیں کی۔ اس لیے یہ سفارت ناکام رہی"۔ انگریز اور فرانسیسی ہر دو شاہ نواز خاں پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ ان کے حریف کی مدد کر رہے تھے[3]۔ بالآخر یہ لوگ مایوس ہو کر قلعہ سینٹ ڈیوڈ چلے گئے۔

---

[1] ڈوپلے اور کلائیو ص ۶۹ ۔ ۱۲ [2] ڈوپلے اور کلائیو ص ۷۱، بحوالہ تاریخ ہند آرمی قلمی۔

[3] اس باب میں خود شاہ نواز خاں سے ان کی روش سنیے، جو غالباً کسی اور واقعہ کی نسبت ہے جس میں بظاہر انگریزوں کی مخالفت اور فرانسیسیوں کی طرفداری محسوس ہوگی۔ (بقیہ برصفحہ ۱۱۸)

اثنائے راہِ ارکاٹ میں قلعہ دار "وندواسی" کی اطاعت

الحاصل، ناصر جنگ منزل بہ منزل ارکاٹ کی طرف جا رہے تھے اثنائے راہ میں "وال ور" میں قیام کیا، جو جنگی مورچوں کے مقام سے ۳۰ کوس کے فاصلہ پر تھا۔ اور پھر یہاں سے

۱۱ شوال ۱۱۶۳ھ کو بہ عزمِ ارکاٹ آگے بڑھے۔ دو کوس کے بعد ہی ایک اور منزل اس خیال سے کی کہ سامان حرب جو خراب ہو گیا ہے، وہ درست کر لیا جائے، پھر یہاں سے آٹھ میل کے فاصلہ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ، اس جگہ "وندواسی" (وندیواشں) نامی ایک مضبوط قلعہ، چندا صاحب کے کسی رشتہ دار کے قبضے میں ہے، چندا صاحب کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

"بہ راؤ بالاجی پنڈت پردھان، در جواب استدعائے عزیمت کرناٹک"

چوں عمدۃ الملک بہادر غضنفر جنگ سعادت اندوزِ حضور بودند، گفتند کہ با فرانسیس و انگریز مدتے آویز و ستیز درمیان بود، بعدِ چندیں خرابی و خون ریزی و پامالی و ویرانی، ملک کہ حاجت شرح نہ دارد، بہ میعاد سجدہ ماہ، بایں قرار داد مصالحہ شد کہ باہم سالکِ موافقت بودہ، بہر قدر ملکے کہ در تصرفِ خود ہا دارند بہ ہماں راضی و قانع باشند و تا انقضائے زمانِ موعود، قدم از جادۂ وفاق برنہ دارند و کیفیت را بہ شاہِ فرنگ بہ نویسند۔ ونوعے کہ از اں جا جواب رسد بہ عمل آرند۔ رفتن آں مہربان بہ آں سمت خالی از دو حال نیست، یا پرخاش با انگریز منظور است یا برعکس آن۔ اگر پرخاش است، ما را مد آں مہربان شدن و بہ آنہا جدال و قتال کردن لازم ...... و اگر اعانت ہیچ کس نباید کرد۔ انگریز را الیقین خواہد شد کہ اشتعال بہ ایں نائرہ بہ تحریک و تحریص فرانسیس شدہ، و بخاطر شریف راہ خواہد یافت کہ مخالفت انگریزاں با بانی فرانسیس بعمل آمدہ۔ ایں چہ نوع دوستی است کہ در چنیں وقت از ترددو واعانت چشم پوشی باید کردند (کردن بھگایا کرد) بر تقدیرے کہ ہمیں داعیہ بود، بایستے از ما فی الضمیر اطلاع می دادند (دہند) تا آنچہ مقرون صلاح و صواب می دانستم می نوشتم۔ از اں جا کہ، صاحب و عمدۃ الملک بہادر محبتِ دلی است و جدائی ہیچ وجہ متصور نہ، الحال ہم ہر چہ مکنون ضمیر صورت پذیر باشد، مشروحاً بہ قلم باید آورد۔"

(مکتوبات شاہ نواز خاں قلمی صفحہ ۳۲۴ صحیح بہ دیگر کتب)

بیوی بھی اسی میں رہتی ہے۔ نیز قلعہ دار نے خوب روپیہ جمع کر لیا ہے، کسی کی اطاعت نہیں کرتا۔ یہ سنکر ناصر جنگ نے اُدھر کوچ کا حکم دیا، اور کہا کہ اگر قلعہ دار اطاعت قبول کر لے تو بید سے ارکاٹ چلیں گے، ورنہ اس کے فتح ہونے تک برسات بھر یہیں قیام ہوگا۔ اس وقت نواب صاحب کے رکاب میں "قلعہ جیٹ بیٹ" کا قلعہ دار بھی تھا، جس کو وندواسی کے اطراف واکناف اور دوسرے قلعوں کی نسبت کافی واقفیت حاصل تھی، اس نے عرض کی کہ قلعہ وندواسی بہت مضبوط ہونے کے علاوہ اس میں وافر رسد موجود ہے، بارش میں اس کا فتح کرنا دشوار ہوگا اس لیے سوچ سمجھ کر محاصرہ کرنا چاہیے۔ یہ سن کر ناصر جنگ نے بعدِ مشورہ، میر نجف علی خاں کو حکم دیا کہ وہ قلعہ نذکو پہنچے اور وہاں کے حالات معلوم کر کے، قلعہ دار کو اطاعت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرے۔

اس پر نجف علی خاں نے معروضہ کیا کہ اگر فدوی تنہا، قلعہ میں داخل ہونے کی سعی کریگا، تو قلعہ کے پاسبان ایک غیر آدمی کو داخل نہ ہونے دیں گے، اور اگر فوج ہمراہ لے، تو ایسی صورت میں، لڑائی بغیر داخلہ ممکن نہیں، اس لیے اگر دربارِ والا سے قلعہ دار کے نام، شاہی مُہر سے مُزین ایک عنایت نامہ مرحمت فرمایا جائے تو مناسب ہوگا، تا فدوی قلعے میں پہنچ سکے۔ اس کے بعد جو کچھ حالات تحقیق ہو سکیں گے ان کو بارگاہِ اقدس میں لَوٹ کر عرض کرنے کا موقع مل سکے گا۔ اس پر ناصر جنگ نے کہا، میرے سارے بزرگوں اور اجداد کا شعار وعدہ خلافی نہیں رہا ہے۔ عنایت نامہ چونکہ ہماری مہربانیوں کا یقین دلانے والا، اور اظہارِ الطاف کا حامل ہوگا جو ہمارے نزدیک معاہدہ کا درجہ رکھتا ہے اور کسی کے ساتھ معاہدہ کر کے، پھر اس کا محاصرہ کر لینا درست نہیں، اس لیے تم کسی تدبیر سے اس کام کا سرانجام کر کے لَوٹو۔

حسب منشاء تعمیل حکم کے لیے، نجف علی خاں کو روانہ ہونا پڑا، وہ تین دن کے

بعد قلعہ وندواسی پہنچا، پہنچنے سے ایک دن قبل ہی، اس نے ایک ہرکارے کے ذریعے قلعہ دار کے پاس اطلاع بھیج دی تھی کہ مجھے نواب ناصر جنگ نے آپ کے لیے ایک پیام دے کر روانہ کیا ہے، انشاءاللہ توقع ہے کہ کل آپ سے قلعہ میں ملاقات کا موقع ملے گا۔ اس خبر کے ملتے ہی قلعہ دار نے اپنے داماد کو پانسو سواروں اور ہزار پیادوں کے ساتھ بہ ظاہر استقبال کے واسطے بھیجا، لیکن اس کا حقیقی مقصد یہ تھا کہ اگر یہ کسی فاسد ارادے سے آرہا ہے تو اس کی سدباب ہوسکے۔ مگر نجف علیخاں نے انتہائی ہوشیاری کر کے، قلعہ کے دروازے کے قریب پہنچنے تک نہ اپنا مقصد واضح ہونے دیا، اور نہ ہی قلعہ دار کے داماد کو موقع دیا کہ وہ اس معاملہ کی نسبت کوئی گفت وگو کر سکے۔ جب یہ لوگ دروازے پر پہنچے، تو قلعہ دار کے داماد نے مجبور اور بے چین ہو کر، صراحتہً نجف علی خاں سے اس کے آنے کا سبب دریافت کیا، تو یہ سُن کر اُس نے کہا کہ شاہی پیام کے آداب اُسے اس امر کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ ہرکس وناکس کے سامنے اُس کا اظہار کر دے۔ اس کو ان باتوں میں اس طرح مصروف رکھنے کی کوشش کی کہ دونوں گفت وگو کرتے ہوئے قلعہ کے دروازہ سے گزر کر، اندر داخل ہوگئے کسی نے روکنے کی جرأت نہ کی، بالآخر قلعہ دار نے نجف علیخاں کو خلوت میں طلب کر کے گفت وگو کی، اور ناصر جنگ کے دبدبہ سے ڈرا کر دس لاکھ روپے دینے کا وعدہ لے لیا۔ اس کے بعد جب اس کی تکمیل کی تو نواب صاحب یہاں سے نکل کر دوسرے یا تیسرے دن ارکاٹ پہنچ گئے۔

ارکاٹ آنے کے بعد، ناصر جنگ نے (جن کا مطمح نظر صرف مظفر جنگ کی شورش کو رفع کرنا تھا، اُن کے قید ہو جانے کی وجہ سے) بغیر کسی تردد کے اپنی فوج کا ایک بڑا حصہ گول کنڈہ واپس کر دیا، اور کئی سرداروں اور راجاؤں کو بھی چلے جانے کی اجازت دے دی۔ دشمن سے اس قدر بے فکر ہو گئے کہ انہیں اس کی قطعاً کوئی

پروانہ رہی۔ حتیٰ کہ تدبر سے بعید امور اُن سے سرزد ہوئے، یعنی یہاں ان کی عیش و عشرت نے، ان کو سیاست سے بالکل غافل بنا دیا، جس میں باغی اور سازشی پٹھانوں کا ہاتھ تھا، اور ادھر یہ لوگ دربار کے ان حالات کی نسبت برابر ڈوپلے کو خفیہ اطلاعیں بھیجتے رہے۔

مسلی پٹم پر ناصر جنگ کی فوج کا حملہ | ارکاٹ آنے کے بعد، ناصر جنگ نے حکم دیا کہ شہر مسلی پٹم اور نیٹ ام (جو مسلی پٹم سے جانب شمال قریباً ۲۵ میل دور ہے) پر حملہ کر کے فرانسیسیوں کے جو کچھ مکانات، مال و اسباب اور کارخانے ہیں ان سب کو ضبط کر لیا جائے، ان کے فوجی سرداروں نے بے مزاحمت، مقامات مذکور پر قبضہ کر کے جو کچھ ہاتھ لگا اس کو بجنسہٖ محفوظ و مقفل کر دیا، اور مہریں لگا دیں۔ ڈوپلے کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے ناصر جنگ کی اس کارروائی کے معاوضے میں کئی گنا زیادہ بدلہ لینے کا ارادہ کیا، اور راست شہر مسلی پٹم پر قبضہ کرنے کی تدبیریں کیں، جس کو حاصل کرنے کی وہ آرزو بھی کر رہا تھا اور مظفر جنگ سے ان کی کامیابی کے بعد اس کے عطا کر دینے کی درخواست بھی کی تھی۔ الغرض اس نے اوائل جولائی ۱۷۵۰ء میں دو سو یوروپین اور تین سو دیسی سپاہی، کلدار توپوں اور سامانِ حرب کے ساتھ دو بڑے جہازوں میں سوار کرا کے مسلی پٹم روانہ کر دیے جو تین روز کے بعد آدھی رات کے وقت یہاں اترے، اور ناگہانی طور پر ان فرانسیسیوں نے شہر پر حملہ کر کے، آسانی سے اس پر قبضہ کر لیا۔[2]

اس خبر کے سننے کے بعد بھی ناصر جنگ کچھ زیادہ متاثر نہ ہوئے، بلکہ ان کا سارا وقت عیش و عشرت، شکار و تفریح میں گزر رہا تھا۔ صرف اپنے بھانجے مظفر جنگ کے

---

[1] کتاب ڈوپلے اور کلایو صفحہ ۶۷ پر نیام کو "یانم" لکھا ہے ۱۲

[2] 〃 〃 〃 صفحہ ۶۷، ۶۸ ۱۲

قید ہو جائے گو وہ ساری بغاوت کا خاتمہ سمجھتے رہے، کیونکہ بری طرح ان کو غافل اور رات دن عیش ونشاط میں مشغول رکھنے کی، سازشی آدمیوں نے بطورِ خاص کوششیں کی تھیں، اور جب اس طرح ان لوگوں نے دربار کا رنگ پورے طور پر اپنے موافق مرام پیدا کر لیا، تو ڈوپلے کو ناصر جنگ پر حملہ کرنے کی تحریک کر دی۔

فرانسیسیوں کا ترووڈی کے مندر پر حملہ اور محمد علی پسر انورالدین خاں کا انگریزوں سے مدد طلب کرنا، پھر ان سے انقطاع اور اس کی شکست

مسٹلی پٹم پر شبخون کے ذریعے فرانسیسی قبضہ کی، جب کوئی تدارک کی کارروائی نہ ہوئی تو ڈوپلے کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ دربار کی رپورٹیں وقتاً بعد وقتٍ برابر پہنچ رہی تھیں، اور سازشیوں نے حملہ کی تحریک کر دی تھی، اس لیے اس نے اپنے نقشہ کے مطابق اولاً ڈآلو داور، ماہور، اور چیدنبرم پر قبضہ کر لیا۔ پھر اور آگے بڑھ کر، مقام ترووڈی (تری وادی) پر، پان سو سولجروں کے ساتھ حملہ کیا جو قلعۂ سینٹ ڈیوڈ سے بجانبِ غرب پندرہ میل، اور ارکاٹ سے بیس کوس اور پانڈی چری سے آٹھ کوس کے فاصلہ پر تھا۔ اس حملہ کی آماج گاہ دراصل مقام مذکور کا بت خانہ رہا، جس کا نام غالباً بال سرام تھا، یہاں محمد علی نے کچھ فوج متعین کر رکھی تھی جس پر فرانسیسیوں نے حملہ کر کے، محمد علی کے سپاہیوں کا دستہ متعین کر دیا۔ اس کے بعد فرانسیسی، علاقہ ترووڈی کی مال گزاری وصول کرنے لگے، اس طرح بے روک ٹوک دریائے پنار تک بڑھتے چلے آئے۔

جب محمد علی کو اپنے سپاہیوں کے نکالے جانے کی خبر ملی، اور یہ ساری تفصیلات پہنچیں تو اس کو سخت تردد لاحق ہوا کہ اگر اس وقت فرانسیسی سیلاب کی روک تھام نہ کی جائے تو آئندہ بدتر نتائج درپیش ہوں گے۔ اسی لیے اس نے گھبرا کر ابتداءً ناصر جنگ سے

---

[1] ڈوپلے اور کلائیو ص ۶۹ ۱۲

اس امر کی درخواست کی کہ اس کو فرانسیسیوں کی گوشمالی اور انگریزوں سے استمداد کی اجازت مرحمت فرمائی جائے، جو یقیناً اپنے ذاتی نفع کی وجہ سے فرانسیسیوں کے مقابلے میں اس کا ساتھ دینے کے لیے ضرور تیار ہو جائیں گے، ناصر جنگ نے درخواست کے اس دوسرے جزو کو ناپسند کیا، اس لیے کہ وہ انگریزوں سے ناراض ہو چکے تھے (جس کا تذکرہ صفحات گذشتہ میں لکھا جا چکا ہے)۔

محمد علی نے نواب صاحب کے اظہار ناراضی کے باوجود، ان سے انگریزی امداد کی اجازت کے لیے بہت اصرار کیا، تو انھوں نے اس شرط پر اجازت دی کہ انگریزوں کو ان کی جانب سے نہ طلب کیا جائے۔ اس پر محمد علی نے اپنی طرف سے انگریزی کمپنی کو امداد کے لیے لکھا، اور وعدہ کیا کہ وہ امدادی دستے کے تمام اخراجات اپنی ذات سے ادا کر دے گا۔ اس بناء پر میجر لارنس نے کپتان کوپ کی سرکردگی میں چار سو ولایتی اور پندرہ سو ہندوستانی سپاہیوں کو اس کی امداد کے لیے بھیج دیا۔ اور خود محمد علی بیس ہزار کے لشکر کے ساتھ آگے بڑھا اور یہ انگریزی امدادی دستہ اس سے آغازِ جولائی (سنہ ۱۷۵۰ء) میں جنجی کے مقام پر آملا[1]۔

محمد علی نے درختوں سے بھرے ہوئے ایک مقام پر، پڑاؤ ڈالا، اور اس کے گرد خندق کھدوائی۔ کپتان کوپ نے محمد علی سے بت خانۂ بال سرام پر قبضہ کر لینے کی اجازت چاہی۔ بڑی جرأت سے انگریز آگے بڑھے، اور فرانسیسی لشکر کے قریب پہنچے تو اولاً فرانسیسی کپتان نے گفت و شنید کے ذریعے انہیں گولہ باری سے خوف دلانے کی کوشش کی۔ اس کا انگریزوں نے جواب دیا کہ ہم نواب کے دوست ہیں جب تک جان میں جان رہیگی اس کا ساتھ دیں گے، اس کے بعد ہی آپس میں

---

[1] ہنری ڈادول کہتا ہے کہ انگریزوں کی جمعیت جو بطور امداد بھیجی گئی تھی، اس کی تعداد (۶۰۰) تھی جس کے ساتھ ایک توپ خانہ بھی تھا۔ اور محمد علی جون میں مقابلہ کے لیے روانہ ہوا (ڈوپلے اور کلائیو صفحہ ۶۹)

گولہ باری اور معرکہ آرائی شروع ہو گئی، لیکن بدقسمتی سے جنگ کے دوران میں محمد علی اور کپتان کوپ، باہمی اختلاف رائے کا شکار بن گئے، جس کی وجہ سے ایک دوسرے میں بدمزگی کا پیدا ہونا، ایک لازمی امر تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان لوگوں نے تنخواہیں مانگیں، جو اس سے ادا نہ ہو سکیں۔ اس وعدہ خلافی سے میجر لارنس بہت جھنجلا اٹھا، اور ناراض ہو کر کپتان کوپ کو حکم دیا کہ وہ محمد علی کی رفاقت ترک کر کے، فوراً قلعہ سنیٹ ڈیوڈ لوٹ جائے جس کی انگریزی دستے نے تعمیل کی۔

ایک یورپین مورخ تفصیلی واقعات کا اظہار نہ کر کے یہ لکھتا ہے کہ، مقابلہ میں جو فرانسیسی فوج تھی، اس میں ۵۰۰ یورپین، کپتان لاؤش کی ماتحتی میں متعین تھے، جو ایک بہترین فوجی افسر تھا، چند چھوٹے چھوٹے معرکے ہوئے۔ یکم اگسٹ کو انگریز سردار کوپ نے کوشش کی کہ فرانسیسی مقابلے کے لیے میدان میں آئیں، جو ایک باغ کی محفوظ خندقوں میں پناہ گزیں تھے۔ دیر تک انگریزی توپ خانے نے آتش فشانی کی چوں کہ فرانسیسی حملے میں پیش قدمی کرنا نہیں چاہتے تھے، اسی وجہ سے کوپ نے بھی حملہ نہیں کیا، جب مقابلہ کا یہ رنگ رہا، تو اس مہینے کے آخری دنوں میں اس کو قلعہ سنیٹ ڈیوڈ واپس طلب کر لیا گیا[1]۔

بہر حال انگریزوں کے چلے جانے کے بعد ہی، ڈوپلے نے حکم بھیجا کہ فرانسیسی لشکر قلعہ ترودی کے قریب جمع ہو جائے، جو اٹھارہ سو فرانسیسی، ڈھائی ہزار دیسی اور ایک ہزار چندا صاحب کے سواروں پر مشتمل تھا، جس کے ہمراہ بارہ میدانی توپیں بھی تھیں۔ ان کے مقابل محمد علی کے پاس پانچ ہزار پیادے اور پندرہ ہزار سوار تھے۔ اس کے سوا ناصر جنگ نے صف شکن خاں میر آتش، اور دیگر سرداروں کو اس کی مدد کے لیے بھیج دیا تھا۔ محمد علی قلعہ ترودی کی طرف بڑھا، جس پر فرانسیسیوں نے قبضہ کر کے

---

[1] ڈوپلے اور کلائیو ص ۹۹ ۱۲

اس کی حفاظت کے واسطے، چار ہزار تلنگے، اور ہزار فرانسیسی سپاہیوں کو مامور کر رکھا تھا۔ یہ متعینہ فوج، دن بھر اس قلعہ سے آگ برساتی، اور رات کو چھپ چھپ کر نکلتی اور شبخون زنی کیا کرتی تھی۔ بیس دن تک لڑائی کا یہی رنگ رہا، تو ناصر جنگ نے ترک طہماسپ خاں قبچاق کو ایک ہزار سوار دے کر فرانسیسیوں کے ایک دوسرے فوجی مرکز "جلی کوٹ" پر بھیجا[1]۔ ایک اور سردار میر امیر شاہ نامی کو تھوڑے سے سواروں اور پیادوں کے ہم راہ "شیو گنجی" پر متعین کیا۔ نیز کچھ اور سردار بھی مختلف مقامات پر پھیلا دیے، دشمن کی سرکوبی کے لیے صرف اسی قدر انتظامات کو کافی تصور کر کے، خود ایک مختصر سی فوجی جماعت کے ساتھ ارکاٹ میں داد عیش دینے میں کوئی تامل نہ کیا۔

چوں کہ لڑائی کا یہ ڈھنگ بار آور نہ ہو رہا تھا، اس لیے ۱۲/۱۳ اگست سنہ ۱۷۵۱ء کو فرانسیسیوں نے نہایت زور کے ساتھ محمد علی پر دھاوا بول دیا، جس میں اس کو ہزیمت اٹھانی پڑی، اور وہ تروڈی سے بہ ہزار خرابی دو چار خدمت گاروں کے ساتھ ارکاٹ کی طرف فرار ہو گیا۔ انگریز کہتے ہیں کہ پہلی ستمبر کو محمد علی نے پورے طور پر شکست پائی، اور اس کا سارا توپ خانہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا[2]۔ ایسی حالت میں محمد علی کی فوج کیا ٹکتی۔ اس کی ایک کثیر تعداد، تروڈی سے بھاگ کر قلعۂ جنجی میں پناہ گزیں ہو گئی۔ اس خبر کے ملتے ہی فوراً ڈوپلے نے جنرل بُسے کی سرکردگی میں ایک جمعیت قلعۂ جنجی پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجی، اور کپتان ڈاٹیل کو بھی اس کے عقب میں روانہ کر دیا۔ یہ لوگ ۱۱ ستمبر کو جنجی پہنچے[3]۔

اِن واقعات کی نسبت توزکِ والاجاہی کے مؤلف کا بیان یہ ہے کہ محمد علی نے انگریزوں کی مدد سے تری وادی کا محاصرہ کر لیا، قریب تھا کہ قلعہ فتح ہو جائے، حسین دوست خاں

---

[1] تحفۃ الشعراء میں ہے کہ قلعۂ جنگل پیٹ پر بھیجا تھا، جہاں وہ مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا۔ ۱۲

[2] ڈوپلے اور کلائیو صد ۶۹ ۱۲   [3] ڈوپلے اور کلائیو صد ۶۹ ۱۲

اور ڈوپلے اس نازک صورتِ حال سے واقف ہو گئے، اور ان کو یقین ہو گیا کہ جب تک محمد علی کے پاس سے انگریزی امداد کے ہٹانے کی تدبیریں نہیں کی جائیں گی۔ اُس وقت تک اس مصیبت سے بچنا مشکل ہے، اسی لیے ناصر جنگ کے پاس شکایت کی کہ محمد علی نے انگریزوں کو بطور خود جاگیر عطا کر دینے کا عہد نامہ لکھ کر دیا ہے، سرکار کے ہوتے ہوئے اس کو ایسا حق نہیں پہنچتا۔ اور اس طرح وہ حکومت کے علاقوں کو نہایت بے دردی سے پامال کر کے، شاہی خزانہ کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ اور صرف اسی کی اس جانب داری کے باعث کرناٹک میں یہ ہنگامے بلند ہیں۔ درحقیقت محمد علی انگریزوں سے ساز باز کر کے سرکار کے ساتھ دغا بازی میں مصروف ہے۔

اس گفت و شنید کا یہ اثر ہوا کہ ناصر جنگ بدظن ہو گئے، اور تہیّہ کر لیا کہ سوا د کرناٹک سے ہی نہیں بلکہ سارے ہندوستان سے وہ انگریزوں کو نکال باہر کریں گے۔ اسی بنا پر انھوں نے محمد علی کو امتناعی احکام بھیجے، اور انگریزوں کے علاقہ دیونام پٹن اور چینا پٹن کی تسخیر کے واسطے عبدالنبی خاں، اور ہمت بہادر خاں کو روانہ کیا۔ محمد علی فرانسیسیوں کی اِن چال بازیوں سے واقف ہو گیا، اور اس نے انجام کی نسبت سوچا کہ اگر انگریز ضلع کرناٹک سے خارج کر دیے جائینگے تو فرانسیسی زور بڑھ جائیگا، آگے مؤلف مذکور کے اصل الفاظ یہ ہیں کہ:۔

دریں حال وصیت والد شہید (انورالدین خاں) بخاطر آوردہ، ارادۂ دست گیریٔ انگریز مصمم نمودہ، بکمال درد و اندوہ، از مقام محاصرۂ تری وادی، جریدہ بہ ارکاٹ شتافتہ، معرفتِ راجہ سنپت رائے دیوان....... و راجہ بشن داس....... (بہ راجہ رام داس) رسیدہ، بدیں نوع مضمر خاطر خود بہ او پیش آورد کہ اگرچہ حسب الحکم وزارت پناہ (ناصر جنگ) انگریز را از رفاقتِ خویش یک سوئی نمائیم

لیکن بحالِ خود ماندن، و از آسیبِ اخراج ایمن گردیدن او از احسانِ شامی خواہم، وگرنہ تا ولایتِ فرنگ مشتہر خواہد گردید کہ از رفاقتِ من چنین ہرج بہ آں قوم رسید، راجۂ مذکور بعدِ اخذِ مبلغ ...... باتفاق شہ نواز خاں دیوان و میر دائم علی خاں بہ حضورِ وزارت مآب رفتہ در تخلیہ بہ تقریب ایں دسواس کہ دریں آوان شورش فراسیس و تجویزِ خاطر شکنئ دیگر تاجرانِ فرنگ ...... بعید از رائے صواب و دور بینئ مآل اندیشاں است الغرض بدیں تدبیر (محمد علی) عزیمت ہر دو سردارِ مذکور (عبد النبی و ہمت خاں) را از بنادرِ انگریز بازداشتہ بحصولِ رخصتِ پیش گاہِ وزارت پناہ، بہ ترواوی رسید"۔[1]

اس کے بعد لکھتا ہے کہ محمد علی نے ترواوی آکر، انگریزوں کی خاطرداری کی، اور ان کے افسر کو خلعت وغیرہ عطا کر کے دیونام پٹن روانہ کیا، اور چاہتا تھا کہ ترواوی کا محاصرہ اٹھالے، چوں کہ اس محاصرہ میں دو ماہ ہو چکے تھے اور صف شکن خاں بھی ناصر جنگ کے حکم سے مدد کو پہنچا تھا، اسی لیے طوعاً و کرہاً مقابلہ کرتا رہا، اس جنگ میں اس کے بائیں پیر پر سخت زخم آیا۔ بالآخر اس کو یہاں سے جان بچا کر فرار ہونا پڑا۔[2]

قلعۂ جنجی (نصرت گڈھ) پر فرانسیسیوں کا قبضہ

اس معرکہ میں جنجی کے قلعۂ (نصرت گڈھ) کو نہایت اہمیت حاصل رہی کیونکہ یہ قلعہ جنوبی ہند میں سب سے زیادہ مضبوط اور اس کا فتح کرنا دشوار سمجھا جاتا تھا۔ جیسا کہ ہم نے تذکرہ کر دیا ہے، جنرل لبسے (موسی بوسی) ڈوپلے کے حکم کے مطابق، ڈھائی سو فرانسیسی، بارہ سو ہندوستانی سپاہی،

---

[1]، [2] تو زکِ والاجاہی والاجاہی قلمی ورق ۱۰۵۔ ۱۲

اور چار توپیں لیے ہوئے، قلعۂ جنجی پہنچ گیا جس میں محمد علی کی بھاگی ہوئی قریباً ۵ ہزار فوج پناہ لے رہی تھی۔ ان سپاہیوں نے بڑی جرأت کے ساتھ تازہ وارد محاصرہ کرنے والے فرانسیسیوں پر حملہ کیا، لیکن بُسے نے اسے بڑی خوبی سے روک دیا، بعد کو ڈاٹیل کے پہنچتے ہی قلعہ پر سیڑھیاں لگا کر چوبیس گھنٹوں کے اندر قبضہ کرلیا۔[1] جیسی ہی کہ فتح حاصل ہوئی، چاروں طرف اس کی شہرت پھیل گئی اور ایسے مضبوط قلعہ کے سر ہو جانے سے سارے ہندوستان میں فرانسیسیوں کی ڈھاک بیٹھ گئی۔

مظفر جنگ کو قید سے فرار کرانے کی کوشش

ایک طرف باہمی آویزش، اور جنگ وجدال کا یہ عالم تھا اور دوسری طرف ادھر ارکاٹ میں ناصر جنگ کے دربار میں، وہی منصوبہ سازشیں انجام تک پہنچائی جا رہی تھیں، اور مختلف واقعات رونما ہو رہے تھے، منجملہ ان کے ایک کی تفصیل یہ ہے کہ، نواب صاحب کے بعض قرابتدار، اور چند نوالمظ نے اس بات کی سعی کی کہ کسی نہ کسی طرح مظفر جنگ کو قلعۂ ارکاٹ سے رہائی دلائی جائے، اور اس خصوص میں جس نے بڑا حصہ لیا، وہ رام داس پنڈت تھا۔ چناں چہ ان کے پاس ایک کدال بھیجی گئی کہ وہ آہستہ آہستہ قلعہ کی دیوار میں رخنہ ڈالتے جائیں، سوراخ کے ہو جانے پر ایک دن قبل اطلاع دیں، تو قلعہ کی دیوار کے پاس ان کے لیے سواری مہیا رکھی جائے گی، جس کے ذریعے وہ بھاگ کر پانڈیچری میں پناہ لیں۔

ہم نے قبل لکھا ہے کہ مظفر جنگ کو میر نجف علی خاں کی نگرانی اور حراست میں دیا گیا، یہاں اُسی کے آدمی ان کی حفاظت کرتے تھے، ان لوگوں کو اس واقعے کا پتہ چل گیا اور انھوں نے نجف علی خاں سے بیان کیا، اور نجف علی خاں کے

---

[1] ڈوپلے اور کلائیو صہ ۶۹ ۱۲

بھائی میر مُحب علی خاں نے (جو مظفر جنگ کی نگرانی پر اپنے بھائی کی جانب سے متعین تھا) خود بھی، ناصر جنگ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس واقعے کی تفصیل عرض کی۔ کہتے ہیں کہ اس راز کے فاش ہو جانیکی وجہ سے مظفر جنگ پر اتنی سخت نگرانی کی جانے لگی کہ قضائے حاجت کے وقت بھی اُن کے ساتھ نگران رہا کرتے تھے۔

ناصر جنگ کے قتل کی پہلی کوشش

مظفر جنگ کے ہوا خواہوں نے جب دیکھا کہ یہ راز کھل گیا اور مقصد حاصل نہ ہو سکا، تو اب انھوں نے ناصر جنگ کو ہی قتل کر دینے کی تدبیریں تیزی سے شروع کیں، جس میں کہتے ہیں کہ ان کے سر داران فوج سے، مرزا محمد خان بخشی، شاہ بیگ خان ساماں، شیخ محمد سعید رسالہ دار، ہمت خاں[1] افغان حاکم کرنول، عبدالنبیؒ خاں حاکم کڑپہ، اور عبدؒ الحکیم خاں زمیندار شاہ نور بھی[2]

[1] غالباً اس کا باپ آصف جاہ اول کے کرناٹک تشریف لانے پر باوجود نابینا ہونے کے، بڑی زحمتیں اٹھا کے جب ان کی خدمت میں سلام کو پہنچا، تو شاہی آداب بجالاتے ہوئے یہ عرض کی تھی کہ "من در قومِ افغان و در زمرۂ مسلمانان ہستم و ہر صباح کہ از خواب برخاستہ وضوی کنم کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ نواب آصف جاہ بزباں می رانم"۔ مؤلف فتحیہ کہتا ہے کہ اس کی یہ بے ساختہ سپاہیانہ جوش و خروش کے ساتھ باتیں، نواب صاحب کو بے انتہا پسند آئیں۔ اور "بہ عنایت، خلعت خاصِ قامت اخلاص اور ابخشیدند"۔ لیکن یہ پٹھان اپنی فطرت سے معذور تھے انھوں نے خود حضرت مغفرت مآب اور نواب شہید کے ساتھ جو کچھ کیا وہ تاریخ میں ثبت ہے ۱۲

[2] تاریخ دلیر جنگی مصنفۂ محمد عظیم الدین سے پتہ چلتا ہے کہ نوابانِ شاہ نور کس وجہ سے ناصر جنگ کے مخالف ہو گئے تھے، جو سبب بیان کیا ہے وہ یہ کہ عبدالمجید خان دلیر جنگ کو آصف جاہ نے اپنے زورِ قوت سے مطیع کیا تھا اور اسی وجہ سے یہ لوگ کینہ رکھتے تھے۔ اس شخص کے نو بیٹے تھے، جن میں سے دو خالق میاں رسول میاں نے بعض مغلوں کے بہکانے سے ناصر جنگ کو قتل کر دینے کی کوشش کی تھی لیکن راز فاش ہو جانیکی وجہ سے انھوں نے رسول میاں کی ناک اور کان کٹوا کر اس کے بیٹے کے ساتھ گدھے پر سوار کرا کے رسوا کیا تھا اور خالق میاں کو سخت عتاب میں رکھا تھا ص ۴۹ و ۵۰ مطبوعہ جامع الاخبار مدراس سنہ ۱۲۶۲ھ۔ اس روایت کی صحت پر ہمیں شبہ ہے اس وجہ سے کہ ناصر جنگ کی زندگی میں کسی کے ساتھ ایسے ذلت آمیز برتاؤ کا ایک آدھ بھی واقعہ نہیں ملتا، البتہ ظاہر یہ امر ان کی نرم فطرت سے بعید معلوم ہوتا ہے ۱۲

شریک تھے۔ ان لوگوں نے صورتِ حال کا مطالعہ کر کے قتل کی سازش پر اکتفا کی اور یہ ساری کارروائی ڈوپلے کے ایما سے اور اس کی سیادت میں جاری رکھی گئی۔ اور طے یہ پایا کہ بصورتِ قتل نواب صاحب کے خزانے اور جواہر خانے کی آپس میں مساوی تقسیم عمل میں آئیگی، اور دریائے کرشنا کے پار کا علاقہ اس حملہ میں پٹھانوں کو ملے گا، اور تمام بندرگاہیں فرانسیسی قبضہ میں رہیں گی۔

لکھا ہے کہ رفتہ رفتہ یہ راز میر نجف علی خاں تک بھی پہنچ گیا، جو ان دنوں ناصر جنگ کی فوج کا سپہ سالار تھا، اس نے ان سے یہ سارا ماجرا بیان کیا، لیکن نواب صاحب نے اپنے صفائے باطن کی وجہ سے اس سازش کا یقین نہ کیا، اور فرمایا کہ ہم نے ان کے ساتھ، ایسی کونسی بدسلوکی، کی ہے، جس کی پاداشں میں یہ لوگ ایسی غداری کرینگے[1]۔

میر نجف علی خاں کی بدولت، ناصر جنگ پر مفسدین کی اس سازش کا حال معلوم ہو جانے سے اور اس سے قبل (مظفر جنگ کو قید سے فرار کرنے کی) پہلی تدبیر میں بھی ناکامی کے باعث یہ خبیث طینت جماعت سخت پریشان ہوئی، اور اس نے دربار سے اپنے سدِ راہ (نجف علی خاں) کو ہٹانے کی طرف توجہ کی۔ چناں چہ ایک دن موقع پا کر اس وقت جب کہ محمد علی اور فرانسیسی ترو ڈی میں لڑ رہے تھے، ناصر جنگ سے عرض کی کہ جہاں پناہ! نجف علی خاں ایک جرأت آزما، دلاور آدمی ہیں اور ان کے ساتھ ایک عمدہ جمعیت بھی ہے، انھوں نے اپنی بہادری اور تجربے کے باعث، بہت سے معرکے سر کیے ہیں۔ ایک عرصے سے محمد علی ترو ڈی میں، مورچہ بندی کیے، فرانسیسیوں سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ لیکن اب تک انھیں کوئی کامیابی نصیب نہیں ہوئی، اس لیے اس مہم پر نجف علی خاں ایسے تجربہ کار آدمی کو، محمد علی کی مدد کے واسطے بھیجنا، سلطنت کی وقعت

---

[1] توزک والاجاہی صد ۱۰۵ ۱۲

کے لیے نہایت ضروری ہے، تاکہ فرانسیسیوں کے حوصلے نہ بڑھنے پائیں، اوران کی خاطر خواہ سرکوبی کی جائے۔ ناصر جنگ نے اس مشورے کو پسند کیا۔ اسی لیے ۲۰ رمضان ۱۱۶۳ھ کو نجف علی خاں دربار میں طلب کیے گئے، اور وہاں جانے کا حکم ملا، تو انہوں نے عرض کی کہ پیر و مرشد! میں اس معرکہ میں اس شرط پر جانے کے لیے تیار ہوں کہ ان سب سرداروں کو جو محمد علی کے پاس بھیجے گئے ہیں، طلب کر لیا جائے، تاکہ اس مہم میں جو کوئی کام ظہور میں آئے، اس سے میرا نام ہو۔ ناصر جنگ یہ سنکر سخت ناخوش، اور نجف علی سے بد دل ہو گئے۔

غداروں نے ناصر جنگ کو نجف علی خاں سے بدظن کرا کے، اور بظاہر اس کو دربار سے ہٹانے کی تدبیروں میں اپنے آپ کو کامیاب سمجھ کر یہ طے کیا کہ نواب صاحب کا رمضان کی عید تک کوئی دلیر خیر خواہ نہیں رہے گا، اس لیے جس وقت عید الفطر کی نماز کے لیے عید گاہ پہنچیں، تو وہاں ان کے قتل کی کارروائی تکمیل کو پہنچائی جائے۔

فتنہ انگیزوں نے پھر نواب صاحب سے یہ عرض کر کے ان کو بھڑکانا چاہا کہ نجف علی خاں شاہی حکم کی تعمیل میں اب تک مہم پر روانہ نہیں ہوئے ہیں، جو آداب وفاداری کے منافی ہے۔ ناصر جنگ ان مکر پیشہ آدمیوں کی پُر فریب باتوں کو نہ سمجھ سکے، اس لیے دوسرے دن نجف علی خاں کو طلب کیا، اور کہا کہ تم ہماری خاطر، وہاں چلے جاؤ، اور پس و پیش نہ کرو۔

نجف علی خاں نے اپنے ایسے آدمی لگا رکھے تھے کہ اس کو عید کی نماز کے موقع پر ناصر جنگ کے قتل کے منصوبوں کا حال معلوم ہو چکا تھا، وہ نواب صاحب کے بے سوچے سمجھے اِس شدّتِ اصرار سے سخت متردد ہوا کہ آخر اس نوبت پر کیا طرزِ عمل اختیار کرے؟ اس نے مزید ناراضی، اور اس بدگمانی سے

بچنے کے لیے کہ کہیں، وہ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ میں عدول حکم کی جرأت کرکے، نہ جانے کی خاطر حیلے بہانے تلاش کر رہا ہوں، اور ان کی نسبت بدشگونی یا برائی کا طلب گار ہوں۔ عید کے موقع پر ہونے والی قتل کی سازش بیان کرنے کی ہمت نہ کی، لیکن اس کی بجائے اس نے اپنی روانگی کو لطائف الحیل سے ٹالنے کی کوشش کی۔ چناں چہ درخواست کی کہ، اول تو مجھے تین لاکھ روپے خزانے سے فوج کے خرچ کے لیے مرحمت فرمائے جائیں؛ اور جس قدر سپاہ محمد علی خاں کی سرکردگی میں موجود ہے، وہ میرے تحت میں کر دی جائے، ناصر جنگ اس قدر غافل ہو رہے تھے کہ انھوں نے ان سب باتوں کو قبول کر لیا۔ فوراً ان کی منظوری سے نجف علی خاں کے لیے یہ امر دوہری مصیبتوں کا سبب بن گیا۔ پھر بھی اس نے جرأت کرکے معروضہ کیا کہ فدوی کی خواہش ہے کہ عید کی نماز کے بعد روانہ ہو۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ عید تک نواب صاحب کے ساتھ رہے اور عیدگاہ میں اُس خطرے کے موقع پر ان کی حفاظت کرکے دشمنوں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچائے۔

لیکن پیہم اس قدر تشدد و اصرار جاری تھا کہ نجف علی خاں کو مجبوراً کوچ کرنا ہی پڑا۔ کچھ سامان اور سپاہی جا چکے تھے کہ اس اثناء میں صبح کے وقت ناصر جنگ کو محمد علی کی شکست اور فرانسیسیوں کے قلعۂ جنجی پر قبضہ کی اطلاع ملی۔ اس خبر کے سنتے ہی انھوں نے شاہ نواز خاں، موسوی خاں، مستعد خاں، سید محمد دائم، محمد انور خاں، اور مرزا محمد خاں وغیرہ کو طلب کیا، اور نجف علی خاں کے پاس اپنے ہاتھ سے رقعہ لکھ کر بھیجا کہ روانگی ملتوی کرکے فوراً ہمارے پاس لوٹ آؤ۔ جب یہ سب دربار میں جمع ہوئے، تو ناصر جنگ نے حیرت و استعجاب کے ساتھ محمد علی کی شکست کے واقعے کو بیان کیا، اور کہنے لگے، غضب ہے کہ بیس ہزار کا لشکر، چار ہزار تلنگوں اور فرانسیسیوں سے ڈر کر بھاگ نکلے۔ اس واقعے کو انتہائی درد آمیز لہجے اور رقت کے ساتھ بیان کر رہے تھے، اور اس قدر متاثر تھے کہ ان کی

آنکھیں اشکوں سے نم ہو گئی تھیں، اور اہلِ دربار کے سامنے عہد کیا کہ وہ اب عید کی نماز کو نہ جائیں گے، بلکہ فرانسیسیوں کی سرکوبی کے لیے کوچ کریں گے۔

جو لوگ ان کی عید کی نماز پڑھنے کے آرزو مند تھے، انھوں نے اس موقع پر آگے بڑھ کر، اصرار کیا کہ عالم پناہ ملول ہونے کی کیا بات؟ دو چار دن ہی تو رہ گئے ہیں، اطمینان خاطر کے ساتھ عید کی نماز ادا فرما کے، اُدھر کا ارادہ فرمائیں۔ انشاءاللہ باقبالِ سرکار دشمن ہزیمت نصیب ہوگا۔ نواب صاحب نے اس کو منظور کر لیا، اور نماز عید ارکاٹ ہی میں ادا کی۔ چوں کہ نجف علی کی روانگی ملتوی ہو چکی تھی اس نے عیدگاہ میں ایسا سخت انتظام کیا کہ کوئی ان تک نہ پہنچ سکا، اور وہ بہ خیر و خوبی دولت خانۂ شاہی لوٹ آئے۔

ناصر جنگ کی فرانسیسیوں سے صلح کیلیے سلسلہ جنبانی، لیکن صلح نہ ہونے سے قلعۂ جنجی کی طرف روانگی

اس دَوران میں اطلاعیں ملتی رہیں کہ فرانسیسی برابر آگے بڑھے چلے آرہے ہیں، اور "جیت بیٹ" تک پہنچ چکے ہیں، اور ان کا ارادہ ہے کہ شہر ارکاٹ پر شب خون ماریں۔ ناصر جنگ کے پاس اس وقت فوج کم تھی، کیونکہ وہ آئندہ کسی فتنہ کے سر نہ اُٹھانے کی توقع رکھتے تھے، جیسا کہ ہم نے پیشتر لکھا ہے، ارکاٹ پہنچتے ہی انھوں نے اپنی فوج کے ایک کثیر حصے کو چلے جانے کی اجازت دے دی تھی، صرف ان کے ہمراہ نجف علی خاں کی پوری جمعیت تھی، بعد کو محمد علی کی مفرور فوج بھی آکر شریک ہو گئی۔ ان کے حکم سے، تین چار دن کے اندر کچھ اور دستے جمع ہو گئے۔ اس کے بعد ۲۹ شوال ۱۱۶۳ھ[1] کو ناصر جنگ نے بارش کی شدت کے باوجود قلعۂ جنجی کی جانب کوچ کیا، اور سمجھتے رہے کہ میرے مقابلے کی خبر سُن کر ڈوپلے ضرور کچھ خائف ہوگا، اور ڈرے گا۔ اگر میں اس کے ساتھ نرمی کروں تو وہ صلح بھی کرلے گا۔ اس لیے انھوں نے لڑائی کی بجائے

[1] تحفۃ الشعراء میں افضل قاقشال نے، ۱۷ شوال ۱۱۶۳ھ تاریخ لکھی ہے ۱۲

حالات اور سپاہ کی کمی سے مجبور ہو کر، صلح کے لیے سلسلہ جنبانی شروع کی، اور اپنے دو سفیر پانڈیچری بھیجے۔

اس کارروائی کا برا اثر پڑا، اور ڈوپلے نے یہ محسوس کیا کہ ناصر جنگ اس وقت اس قدر کم زور ہیں کہ مجبور ہو کر درِ صلح کھٹکھٹاتے ہیں۔ اسی لیے اُس نے اس موقع کو غنیمت جانا، اور زیادہ سے زیادہ پاؤں پھیلانے کی کوشش کی۔ سفیروں کے سامنے جو شرائطِ صلح رکھے، وہ یہ تھے کہ:-

(۱) مظفر جنگ قید سے رہا کیے جائیں، اور ان کی تمام مِلک اور سارا اسباب انھیں واپس دیا جائے۔

(۲) چندا صاحب کو ارکاٹ کی نوابی مرحمت کی جائے۔

(۳) شہر مسلی پٹم اور اس کا تمام علاقہ فرانسیسی کمپنی کے حوالے کیا جائے۔

(۴) اور نواب صاحب کے اورنگ آباد پہنچنے تک، جنجی کا قلعہ فرانسیسیوں کے تصرف ہی میں رہے۔

ناصر جنگ نے ان شرائط کو منظور نہ کیا۔ چونکہ صلح کی گفت و شنید ناکام ہو گئی تھی، اس لیے انھوں نے اپنی فوجوں کو قلعۂ جنجی کی جانب حرکت دی، جو اس وقت (۶۰) ہزار پیدل، ۴۵ ہزار سوار، سات سو ہاتھی، اور (۳۶۰) توپوں پر مشتمل تھی، کثرت بادو باراں کی وجہ سے نواب صاحب کا لشکر بڑی مشکل کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا، چناں چہ پندرہ دن میں، تیس میل سے زیادہ نہ چل سکا۔ موسم کی اس خرابی کو دیکھ کر، وہ کوچ نہ کرتے یا لوٹ جاتے تو مناسب ہوتا، مگر وہ اپنے قدیم اصول کے مطابق مقابلے کے لیے ایک بار نکل جانے کے بعد لوٹنے کو شاہی فوج کیلیے باعثِ ننگ سمجھتے تھے، اسی لیے واپس ہونا گوارا نہ کیا، بلکہ موسم کے شدائد سہتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔ ناصر جنگ کے کوچ کی خبر سن کر فرانسیسی قلعہ "جیٹ بیٹ" سے نکلے، اور قلعۂ جنجی میں آکر متحصن ہو گئے۔ اس عرصے میں نواب صاحب کو خبر ملی

فرانسیسیوں نے اپنے لشکر کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا ہے، ایک قلعۂ جنجی اور دوسرا قلعۂ "سلٹ کھیڑہ" میں متعین ہے، اور ان کا ارادہ ہے کہ اگر نواب صاحب جنجی کا محاصرہ کریں، تو سلٹ کھیڑہ سے (جو جنجی کے عقب میں ہونے کے باعث ان کی فوج کے پیچھے واقع ہوگا اور اس طرح وہ ان دو قلعوں کے بیچ میں آ گھر جائینگے) ان کے لشکر پر رسد بند کر دی جائے؛ تا سپاہی عاجز آ جائیں اور ان دونوں قلعوں سے اُن پر بہ سہولت شب خون بھی ما سکیں۔

نواب صاحب کو، اُن کے اِن ارادوں کی اطلاع ملتے ہی، انھوں نے میر نجف علی خاں کو بلا کر حکم دیا کہ وہ قلعہ سلٹ کھیڑہ پر حملہ کر دے، اور خود قلعۂ جنجی کے محاصرہ کے لیے بڑھے۔

نجف علی خاں کا قلعۂ سلٹ کھیڑہ پر قبضہ اور ناصر جنگ کا اُسے "نجف گڈھ" سے موسوم کرنا

تعمیل حکم میں نجف علی خاں خدا پر بھروسہ کیے سلٹ کھیڑہ روانہ ہوا، اثنا راہ میں اس نے قلعہ رانی (ارنی) کو فتح کیا، جس میں بہت سا مال و اسباب ہاتھ لگا۔ یہاں اپنے نائب مقرر کر کے، ۱۴ شوال ۱۱۶۳ھ کو "قصبۂ کلیاک" پہنچا، جہاں فرانسیسیوں کا تھانہ قائم ہو گیا تھا تھوڑی ہی دیر میں پچاس فرانسیسی اور تلنگے گرفتار کر کے اس مقام پر قبضہ کر لیا اور اپنا چوکی پہرہ بٹھا کے پھر شوال کی ۱۶ کو قصبۂ "ترنامل" آیا، تو ترنامل کے فوج دار بہادر خاں نے اس کا استقبال کیا، اور اپنی تقصیرات کی معافی چاہی نجف علی خاں نے اس جگہ بھی انتظاماً اپنے محافظ دستے کے سپاہی متعین کیے اور بہادر خاں سے قلعۂ سلٹ کھیڑہ کے حالات کی نسبت استفسار کیا۔ اس نے کہا کہ فرانسیسیوں کی جانب سے تلنگے اس کی نگرانی کر رہے ہیں، اور کثرت سے اسباب رسد جمع ہے۔ فوج کی قلت کے باوجود صرف ایک ہزار سپاہ کے ساتھ، نجف علی خاں، جرأت و جلادت سے اس طرف بڑھا۔ پہاڑی رستہ انتہائی مشقت سے طے کر کے قلعۂ سلٹ کھیڑہ کے مقابل پہنچ کر اپنی فوجوں کی صفیں جمائیں، اور پیادہ جمعیت کو حکم دیا کہ جس وقت قلعہ سے ہمارے مقابلہ کے لیے فرانسیسی نکلیں، تم اس وقت عقب سے قلعہ کی

حصار میں گھس جاؤ، جسے پاؤ لوٹ لو، اور تہِ تیغ کر دو۔ چناں چہ یہ تدبیر نہایت کارگر ثابت ہوئی، فرانسیسی نجف علی خاں کو دیکھتے ہی اس کے مقابلے کے لیے قریبًا ۲ میل آگے بڑھ آئے، ادھر مقابلہ شروع ہوا، اور ادھر نجف علی خاں کے پیادے بہ ہزار کوشش قلعہ میں داخل ہو گئے، اور لوٹ مار شروع کر دی۔

فرانسیسیوں کو جب قلعہ کے اندر اس کشت و خون کی اطلاع ملی، تو سخت پریشان ہوئے، اور ان کا ایک حصہ اپنے اہل و عیال کا خیال کر کے، میدان سے پھر جانے کی کوشش کرنے لگا۔ جب فوج میں یہ اضطراب پیدا ہو گیا، تو نجف علی خاں نے بڑی دلیری اور شدت سے ان پر حملہ بول دیا، جس سے غنیم کے پیر اکھڑ گئے اور قریبًا اس کے سات سو آدمی تہ تیغ ہو گئے۔ بھاگتے دشمن کی صفوں کو چیرتا خود نجف علی خاں سلٹ کھیڑہ کی حصار میں داخل ہو گیا۔ قلعہ کے اندر چار سو فرانسیسی اور تلنگے باقی تھے۔ ان لوگوں نے اس کے دروازے مستحکم کر کے، قلعہ کو بچانے کی خاطر، آخری جان توڑ کوشش کی، لیکن خانِ ذولور اور اس کے ہمت میں ڈوبے ساتھیوں نے لڑتے ہوئے قلعہ کی نصف بلندی پر پہنچ کر ہی دم لیا، اور اپنے مورچے قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مگر بدقسمتی سے اس عرصے میں سخت بارش کے ساتھ ساتھ بڑے زور، شور سے ہوائیں بھی چلنے لگیں، اور مقابلہ کرنا نہایت مشکل ہو گیا، سپاہی ہلاکت کے قریب پہنچ گئے، مجبورًا نیچے اتر آنا پڑا، اور رات بھر مورچوں کے اسباب مہیا کیے۔ صبح جب ہوئی، تو پھر حملہ شروع کیا۔ سہ پہر تک قلعہ سے مسلسل آگ برسائے جانے کے باوجود، اس کے انتہائی قریب پہنچ گئے۔ یہ دیکھ کر تلنگوں کا ایک افسر سید محمد ٹنڈا اپنے دوسرے سرداروں کے ساتھ جرأت کر کے آگے بڑھا، اور نجف علی خاں سے مقابلہ کرنے لگا۔ اس وقت اطلاع ملی کہ قلعہ والوں کی مدد کے لیے فرانسیسی فوج کا ایک دستہ آ رہا ہے اور لشکر گاہ کو جو قلعہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہی لوٹ لینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس خبر سے نجف علی خاں پریشان ہوا، اور

قریب تھا کہ ہمت ہار دے، لیکن اس نے حواس بجا رکھ کے، پامردی دکھلائی اور حُسنِ تدبیر سے کام لیا، چناں چہ اپنے ایک بھائی میر حسن علی خاں کو سو آدمی دے کر ان آنے والوں کے مقابلے کے لیے بھیجا، تا کہ وہ اُن لوگوں کو ادھر ہی مشغول رکھ سکے۔ اور ادھر خود قلعہ میں داخل ہونے کی تدبیریں سوچنے لگا۔

بارش کی کثرت، بجلی اور گرج کی مہیب آوازوں نے متحاربین کو پریشان کر رکھا تھا، رات کی تاریکی بڑھتی جا رہی تھی، نجف علی خاں نے اندھیرے سے فائدہ اٹھانے کے لیے قبل از قبل دو سیڑھیاں بنوا لی تھیں کہ ان کی بدولت قلعہ پر چڑھ جائے۔ موقع ملتے ہی ایک موزوں مقام پر سیڑھیاں لگا کر خود سب سے پہلے داخل ہوا، اور بعد کو اس کے ساتھی بھی چڑھ آئے۔ ان لوگوں نے قلعہ میں کود کر ایسی شمشیر زنی کی کہ متحصنین کی ایک کثیر تعداد کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا، بہت سے قلعے کے دروازے کھول کھول کر بھاگنے لگے۔ اس طرح ۴ر ذی حجہ ۱۱۶۳ھ کو یکشنبہ کے دن دوپہر تک قلعۂ سلٹ کھیڑہ پر نجف علی خاں کا، کامل قبضہ ہو گیا۔

اِس فتح کے بعد فوراً ہی، نجف علی خاں نے سونے اور چاندی کی کنجیاں بنوائیں اور فتح نامہ کے ساتھ ناصر جنگ کی خدمت میں ایک شتر سوار کے ذریعے بھیجیں۔ یہ سوار، رات کے وقت، نواب صاحب کے خیمے میں پہنچا۔ عرضی پڑھ کر ناصر جنگ بے حد مسرور ہوئے، اور نجف علی خاں کی بہادری اور حسنِ تدبیر کی تعریف کی۔ صبح جب ہوئی تو خطاب خانی کے ساتھ شمشیر و اسپ و خلعتِ خاصہ اس کے پاس بھیجے اور فرطِ عنایت سے قلعہ سلٹ کھیڑہ کو نجف گڈھ سے موسوم کر کے، نجف علی خاں کی جاگیر میں بخشا۔

اس موقع پر ایک شخص نے ناصر جنگ کی خدمت میں بڑھ کر اپنے خدمات پیش کیے جس کا نام میر مظفر بدخشی (یا نورانی) تھا۔ جو سیکا کول کا رہنے والا ایک متمول آدمی تھا۔

ل تحفۃ الشعراء ص۲۲ قلمی و توزک والا جاہی ورق ۹۳ھ

اس نے عرض کی کہ اگر ساری مغل فوج جو سرکار میں ملازم ہے فدوی کے ہم راہ کر دی جائے تو میں ابھی ترو ڈی پر جہاں فرانسیسی پڑے ہیں، اچانک حملہ کر دیتا ہوں۔ نواب صاحب نے اس کی اس گزارش کو قبول کیا، اور حکم دیا کہ ہمارے مغل بہ جز سردار کے سوا جس قدر اُن کی تعداد ہماری سرکار میں نوکر ہے، وہ سب میر مظفر کی رفاقت کرے۔ قریباً ایک ہزار دو سو مغل نکلے، جو دربارِ آصفی کی ملازمت میں شامل تھے۔ میر مظفر اس جمعیت کو لیے ناصر جنگ کے کیمپ سے نکلا، جو ترو ڈی سے آٹھ کوس کے فاصلہ پر تھا، اس نے فرانسیسیوں پر اس شدت سے دھاوا کیا کہ پہلے ہی حملے میں دشمن کے بہت سارے آدمی مارے گئے۔ ان کے سر کاٹ کر نواب صاحب کے پاس بھیجے، اور اکثروں نے تالاب میں کود کر جان دی۔ ناصر جنگ نے خوش ہو کر اُسے "پانصدی" منصب عطا کیا۔ اس کے بعد میر مظفر فرانسیسیوں کے ایک گرجے پر حملہ آور ہوا، اتفاق سے یہاں زد و خورد میں ایک گولی اس کی پیشانی پر لگی، جس سے اس کا کام تمام ہو گیا۔[1]

ناصر جنگ قلعۂ جنجی پر اپنی فوج کے جمع کرنے تک، دوسرے سرداروں کو بھی مقابلے کے لیے بھیجتے رہے، لیکن وہ ناکام رہتے تھے۔

ناصر جنگ کا قلعۂ جنجی پر حملہ، اور ترتیبِ سپاہ

اس اثنا میں ناصر جنگ ارکاٹ سے دشمنوں کے مقابلے کے لیے ایسے وقت نکلے تھے، جب کہ (۴۰) دن سے لگاتار سخت بارش ہو رہی تھی۔ بڑی تکلیفوں کے بعد اب وہ قلعۂ جنجی کے قریب پہنچ گئے، اور اس سے چھے کوس کے فاصلہ پر پڑاؤ ڈالنے پر مجبور ہوئے۔ کیونکہ بے پناہ بارش کے باعث وہ نہ آگے بڑھ سکتے نہ پیچھے ہٹ سکتے تھے۔[2] یہاں انھوں نے اپنے لشکر کو مقابلے کے لیے اس طرح ترتیب دیا۔

---

[1] تحفۃ الشعراء صـ۴۲

[2] ڈوپلے اور کلائیو صـ۶۹ بحوالہ خطوط متفرق جلد (۲) صـ۲۴۲ ڈوپلے بنام کمپنی ۳۰ اکتوبر ۱۷۵۰ء ۱۲

(۱) مقدمۃ الجیش۔ میں راجہ رام چندر پسر چندر سین کو ۵ ہزار سوار، اور ۵ ہزار پیادوں کے ساتھ مقرر کیا۔ اور اپنی

(۲) سیدھی جانب :۔ جانوجی کو چار ہزار سوار، اور ۴ ہزار پیادوں کے ساتھ متعین رکھا، اور اس کے سامنے، بیر نایک اور دوسرے زمیندار ۵ ہزار سوار اور پندرہ ہزار پیادوں کے ساتھ، اور

(۳) بائیں جانب :۔ ہمت خاں حاکم کرنول، عبدالنبی حاکم کڑپہ، اور عبدالحکیم خاں حاکم شاہ نور اپنے اپنے دستوں کے ساتھ موجود تھے۔ اور ان لوگوں کے سامنے نواب صاحب نے لچھمن راؤ کھنڈاکلہ، اور باجی راؤ کے دو سرداروں (بھرجی اور مراری راؤ) کو ۵ ہزار سوار، اور دس ہزار پیادوں کے ساتھ مامور کیا تھا، اور

(۴) لشکر کے عقبی رُخ پر :۔ غلام مرتضیٰ، اور دیگر سرداران فوج متعین ہوئے، اور اس کے بعد پھر انھوں نے

(۵) قلب لشکر :۔ کو ترتیب دیا، جس میں

(الف) سامنے کے رُخ پر :۔ شاہ نواز خاں و دیگر بخشیان فوج ۵ ہزار سپاہ کے ساتھ، اور

(ب) دستِ راست :۔ کی طرف رحم اللہ خاں، اور خواجہ امام اللہ خاں پسران قسورہ جنگ کو سری رنگ پٹن کے دیوان بھریا کی سرکردگی میں دس ہزار سوار اور پیادوں کے ساتھ مقرر کیا، جزایل، توپیں، اور دیگر آلاتِ جنگ بھی اسی جانب رکھے تھے.

نواب صاحب نے اپنے، اور مقدمۃ الجیش کے درمیان :۔ توپ، رہکلہ، اور جزایل کے ہمراہ دو ہزار سواروں اور پیادوں کی

ایک جمعیت، خانِ عالم اور قاضی محمد دائم کی سرداری میں متعین
کی، اور

ہر طرف کی فوج :۔ کو مدد دینے کے لیے صف شکن خاں، یعقوب خاں، اور دیگر سرداروں
کو ہزار سواروں کے ساتھ مامور فرمایا

شاہی ہاتھی کے لیے :۔ جو مقام مقرر کیا تھا، اس کے پیچھے میرزا محمد خاں بخشی، شاہ بیگ خاں
خان ساماں، اور شیخ محمد سعید رسالدار دس ہزار سواروں کے
ساتھ حاضر تھے۔

ناصر جنگ نے اس طرح فوج کو ترتیب دینے کے بعد قلعۂ جنجی پر گولہ باری شروع کی جس مقام سے معرکہ آرائی ہو رہی تھی، اس کے دونوں طرف دو دریا تھے، جن میں سے ایک کا نام چکر اوتی (چکراونی) تھا، یعنی اس وقت ناصر جنگ کا لشکر دو دریاؤں کے بیچ میں گھرا ہوا مقابلہ کر رہا تھا، بارش کی کثرت نے آصفی افواج کو سخت مصائب میں مبتلا کر دیا، جس کی وجہ سے، خشکی کے راستے نیز ان دونوں دریاؤں کے ذریعے جو موسلا دھار مینہہ کے باعث طغیانی پر تھے، رسد اور آمد و رفت قطعاً بند ہو گئی اس طرح سامانِ رسد کم ہونے لگا، ساتھ ساتھ سپاہیوں میں وبا اور بیماری کا زور شروع ہوا۔ زمین کے تر رہنے کی وجہ سے سونا تو سونا اُٹھنا بیٹھنا تک مشکل ہو گیا کھانے پینے کی چیزوں کی سخت کمی محسوس ہونے لگی۔ اس وقت ان ساری مصیبتوں سے بڑھ کر، ناصر جنگ کے دشمنِ جاں، مفسد پٹھان ان کے لیے بڑی بلا تھے، جو قریباً ۷ ماہ سے فرانسیسیوں کے ساتھ ساز باز کر رہے تھے۔

ادھر فرانسیسیوں کا یہ حال تھا کہ وہ بہ اطمینانِ تمام آفتوں میں پھنسے ہوئے حریف سے نبرد آزمائی میں مصروف تھے، اور انھوں نے اپنے لیے رسد اور سامانِ جنگ کی فراہمی کا بہتر انتظام کر لیا تھا، چناں چہ قلعۂ جنجی سے نو کوس کے فاصلہ پر "بیل پور"

نامی مقام پر ایک قلعہ تھا، جو پانڈیچری سے بارہ کوس کے فاصلہ پر پڑتا تھا، پانڈیچری سے اولاً یہاں (بیل پور میں) رسد و سامانِ حرب جمع ہوتا اور اس کے بعد وقتاً بعد وقتٍ قلعۂ جنجی میں پہنچایا جاتا تھا، اور اس کام کے لیے فرانسیسیوں کی جانب سے مظفر خاں گاردی[1] مامور تھا، ڈوپلے پے در پے مظفر خاں کے ہم راہ، گولہ بارود اور کمک بھیج رہا تھا جو پانڈیچری سے نکل کر بیل پور آتا، اور یہاں سے راتوں رات چل کر، تڑکا ہونے سے قبل ہی قلعۂ جنجی پہنچ جاتا تھا۔

اس کے سوا، فرانسیسیوں نے اطراف و اکناف کے بعض قلعوں پر بھی قبضہ جاکر اپنا پہرہ بٹھا رکھا تھا، چناں چہ قلعہ "در داور" کی (جہاں سے کہ ترچناپلی کے قلعہ کو بھی رستہ جاتا ہے) فرانسیسی نگرانی کر رہے تھے، اور ادھر سے ناصر جنگ کے آدمی ان کے لشکر میں رسد لانے کی کوشش کرتے، مگر یہ فرانسیسی انھیں قتل کر دیتے تھے، قلعۂ در داور سے ۵ کوس کے فاصلہ پر ایک اور قلعہ "راوت بلور" تھا، اس پر بھی یہی لوگ قابض تھے۔

قلعۂ جنجی کے پیچھے "پالہ اڈوالم" نامی ایک علاقہ تھا، جس کا زمیندار ارجن تائر فرانسیسیوں سے ملا ہوا، اور ناصر جنگ کا دشمن ہو رہا تھا۔ اس کے علاقہ میں قلعۂ "کلول کھیڑہ" واقع تھا۔ الغرض اس طرح ناصر جنگ دائرے کے مرکز کی طرح دشمن کے نرغے میں پھنس گئے۔

ناصر جنگ کے حکم سے فرانسیسیوں کے چھوٹے چھوٹے مقبوضہ قلعوں پر نجف علی خاں کا قبضہ

نواب صاحب کو جب یہ حالات معلوم ہوئے، تو انھوں نے اپنے بعض سرداروں کو حکم دیا کہ وہ فرانسیسیوں کی رسد روکنے کی کوشش کریں، اور اطراف کے

---

[1] گاردیوں کے متعلق مرآۃ الصفا کا مؤلف کہتا ہے کہ "قومے انداز مسلمانان و تابع فرنگیاں اند کہ بمعرفت حسین دوست خاں ملازمت او اختیار نمودند"۔ (صفحہ ۸۰۹ جلد دوم) اور انوار نامہ میں ع "صفوف پیادہ بود گاردی" لکھا ہے صفحہ ۳۲

قلعوں پر قبضہ جمائیں، لیکن برسات کا یہ عالم تھا کہ کوئی شخص باہر نہیں نکل سکتا، اس وجہ سے انھوں نے نجف علی خاں کو جو قلعۂ سلٹ کھیڑہ (نجف گڑھ) میں مقیم تھا، لکھا کہ لشکر پر مصائب ٹوٹ پڑے ہیں، بارش کی وجہ یہاں سے کسی کا نکلنا مشکل ہے، تم ہمت کرکے نکلو، اور پہلے "قلعۂ نروا نکم" پر قبضہ کرکے وہاں سپاہی متعین کردو، تاکہ ہمارے لشکر میں اس راہ سے رسد پہنچ سکے پھر پالۂ اٹوالم پر یورش کرو، یہاں کا زمیندار فرانسیسیوں کے مکروفریب میں شریک ہے، اور یہ لوگ اس کے علاقے سے بہ آسانی آمدورفت کررہے ہیں۔ امید ہے کہ تمھاری ان کوششوں کے باعث پانڈیچری اور قلعۂ جنجی کا درمیانی رستہ منقطع ہوجائیگا۔

اس حکم کے ملتے ہی نجف علی خاں، قلعۂ نروانکم کی طرف چل پڑا، اس قلعہ کے پاس ایک چھوٹا سا دریا بہتا تھا جو بارش کی وجہ سے طغیانی پر تھا، اور جس کے سبب قلعے تک پہنچنا مشکل ہورہا تھا، لیکن اس نے تھوڑے سے پیادوں اور جزائل اندازوں کے ایک گروہ کو ساتھ لے کر اپنے گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا۔ اور اپنے بھائی نذر علی و محمد رضا خاں کو دریا کے کنارے ٹھہرنے کی تاکید کی۔ خود قلعہ کے قریب پہنچ کر اس کا محاصرہ کرلیا، یہاں کے محافظین مقابلہ نہ کرسکے، بلکہ پوشیدہ رستوں سے فرار ہوگئے، اس طرح آسانی سے قلعہ ہاتھ آگیا، جس میں بہت سا غلہ اور مویشی ہاتھ لگے، اس قبضہ کی اطلاع ناصر جنگ کی خدمت میں بھیجی، اور ان کی فوج پر یہاں سے رسد جاری کردی۔ اس قلعے کی حفاظت کے لیے دوسو سوار، چار سو پیادے اور پچاس تلنگے مقرر کردیے۔ پھر اس مقام سے نکل کر قلعۂ راوت بلور کارخ کیا جو دریا سے پانچ کوس پر تھا قلعے پر قبضہ جمانے کے سوا، یہاں کی رعایا، کو مویشی اور غلے کے ساتھ گرفتار کرلیا۔

اس کے بعد نجف علی نے "پالۂ اٹوالم" اور قلعہ کلول کھیڑہ کی جانب پیش قدمی کی

جب پالۂ اڈوالم کے زمیں دار ارجن نائر کو اس کے آنے کی اطلاع ملی، تو وہ خائف ہوا، اور اپنے ایک وکیل کے ذریعے، اپنی وفاداری کا اظہار کیا۔ نجف علی خاں نے زمیں دار کے پاس کہلا بھیجا کہ تمہاری تقصیرات معاف ہو جائیں گی، اگر تم ہمارے پاس حاضر ہو جاؤ، جس کی اس نے تعمیل کی۔ پالۂ اڈوالم کے قرب میں ایک اور قلعہ تین کوس کے فاصلہ پر "تلنکور" نامی تھا، جہاں فرانسیسیوں نے ایک اور تھانہ قائم کر رکھا تھا، جب پالۂ اڈوالم میں نجف علی خاں کے داخل ہونے اور وہاں کے زمیں دار کے مطیع ہو جانے کی خبر اس قلعہ کے نگہ بانوں کو ملی، اور یہ معلوم ہوا کہ وہ ادھر کا ارادہ کر رہا ہے، تو گھبرا کر بھاگ گئے۔ نجف علی خاں کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو بہت خوش ہوا، اور اپنی جانب سے وہاں دو سو سوار، اور پیادوں کی چوکی بٹھادی۔

پالۂ اڈوالم لوٹ کر نجف علی خاں نے قلعۂ جنجی کے عقبی حصے میں حملہ کرنے کی تدبیریں سوچیں، کیونکہ یہ قلعۂ جنجی کے عقب میں تھا، تاکہ اس طرح ناصر جنگ کی مدد، اور فرانسیسیوں کو منتشر کر سکے۔ اس نے ارجن نائر زمیں دار سے اس معاملہ میں مشورہ کیا، تو اس نے کہا کہ پالۂ اڈوالم کی طرف سے قلعۂ جنجی کی بلندی بہت کم ہے اور موقع کے ساتھ اس پر سیڑھیاں لگا کر چڑھ سکتے ہیں۔ میں کئی سو سیڑھیاں تیار کرا دونگا، اور فرانسیسی اس امر سے غافل ہیں۔ اس رائے کو نجف علی خاں نے پسند کیا، اور سیڑھیوں کے تیار کرا دینے کی اس سے فرمائش کی۔

مظفر خاں گاردی کی گرفتاری | اس اثناء میں اس کے نام ناصر جنگ کا حکم پہنچا کہ جہاں تم مقیم ہو، وہاں سے قلعۂ بیل پور نو کوس ہے، اور ہمارے لشکر سے بھی اس کا یہی فاصلہ ہے، لیکن اس کے اور ہمارے درمیان دریائے چکراوتی حائل اور طغیانی پر ہے اور اس قلعہ سے روزانہ مظفر خاں گاردی، پانڈیچری سے کمک اور رسد حاصل کر کے پہنچا رہا ہے، تم اب اس طرف متوجہ ہو جاؤ اور ایسی سخت کوشش

کرو کہ یہ قلعہ ہاتھ آجائے۔ اس خدمت کے صلے میں ہم تمھیں ترو ڈی کے پانچ محال سرفراز کرتے ہیں جن کی سالانہ آمدنی ۳ لاکھ روپے ہے، اور جو تمھاری تنخواہ سے بھی زیادہ ہے۔

اس بنا پر نجف علی خاں نے بیل پور کا رُخ کیا، جہاں مظفر خاں گاردی پانڈیچری سے رسد لے کر کے ابھی ابھی اُس کے قریب پہنچا تھا، دونوں میں سخت مقابلہ ہوا، اور مظفر خاں مغلوب ہو کر بھاگا۔ دریائے چکراونی کو عبور کر کے، دوسری جانب نکل جانے کی خاطر کود پڑا، وہ گھبراہٹ میں، دشمن کا حقیقی مقام معلوم نہ ہونے کی وجہ سے، دریا کے اس کنارے کی طرف پہنچا، جہاں ناصر جنگ کی فوج مقیم تھی۔ اتفاقاً اس وقت جانوجی نبالکر، اور امان اللہ خاں یہاں طلایہ گردی کر رہے تھے، ان لوگوں نے مظفر خاں کو دیکھتے ہی گرفتار کر کے ناصر جنگ کی خدمت میں پیش کیا، انھوں نے اِسے مرزا محمد خاں بخشی کی نگرانی میں دیا۔ اس کے گرفتار ہونے کے بعد قلعۂ بیل پور میں ناصر جنگ کی جانب سے سپاہی متعین کردیے گئے، اس کے بعد میر نجف علی خاں ۲۲، ذی حجہ ۱۱۶۳ھ کو پالہ اٹوالم لوٹا جہاں اسے دو سو سیڑھیاں تیار ملیں۔

ایک ہفتہ کے بعد ہی ۱۱۶۴ھ اور ماہ محرم کا آغاز ہوا، نجف علی خاں جو شیعہ مشرب آدمی تھا، عشرۂ شریف کی وجہ سے عزاداری میں مصروف ہو گیا، ان ہی دنوں فرانسیسیوں نے چاروں طرف سے حملے کرنے شروع کر دیے، لیکن خانِ مذکور نے اپنے مذہبی شغف اور قدیم طریقہ کی بناء پر عزاداری کے لیے، تمام مصروفیات یک لخت ترک کر دیں۔

عشرہ کے بعد نجف علی خاں نے نواب ناصر جنگ کو اپنی تدبیروں سے آگاہ کیا کہ حضور! اُدھر قلعۂ جنجی کے مقابل کھڑے ہو کر فرانسیسیوں سے مقابلہ

شروع فرمادیں، تاکہ فرانسیسی بالکلیہ ادھر ہی متوجہ رہیں، اور میں ادھر موقع ملتے ہی قلعہ پر سیڑھیاں لگا کر کے داخل ہونے کی کوشش کروں گا۔

اتنے تدابیر اور مساعی کے باوجود ناصر جنگ اپنے گھر جانے کے باعث بارش کی شدت، رسد کی کمی، اور فوج میں قحط و وبا کے پھیل جانے سے سخت مضطر اور بد دل ہو گئے، اور قریباً ان کو اپنے دارالسلطنت سے نکلے ہوئے ایک سال ہو چکا تھا، ریاست کے دیگر علاقوں اور وہاں کی بدنظمی کا بھی انھیں اندیشہ ستانے لگا۔ اسی لیے حالات کی سختی سے برداشتہ خاطر ہو کر انھوں نے اپنی متلون مزاجی سے دوبارہ ڈوپلے کے پاس صلح کے لیے مراسلت شروع کر دی۔ اور فرانسیسیوں کے تمام سخت ترین شرائط صرف اس معاہدہ کے تحت قبول کر لینے پر آمادگی ظاہر کی کہ وہ اپنے آپ کو نظام کی رعایا تسلیم کر لیں۔

افسوس کہ ان میں اپنے عالی حوصلہ باپ کی طرح ثبات، استقلال اور دُور اندیشی نہ تھی کہ وہ اس نازک موقعے کے پیچ و خم سے نکلتے۔
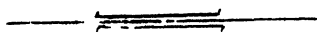
تیسرا باب

ناصر جنگ کی شہادت اور عادات و اخلاق

صلح کے دھوکے میں، ڈوپلے کا سازش کے ساتھ شب خون مار کے، ناصر جنگ کو شہید کرا دینا

ڈوپلے نے جو ہندوستان میں رہتے رہتے، رؤسائے ہند کے مزاج، اور ان کے درباروں کے حالات سے بڑی واقفیت پیدا کر لی تھی، جانتا تھا کہ اس وقت ناصر جنگ کو کس طرح اور مجبور کیا جا سکتا ہے، اس لیے اس نے صلح کے شرائط طے کرنے میں، ڈھیل کی اور اپنے حریف کے مقابلہ میں انسانیت و اخلاق تو ایک طرف، ساری دنیا کے آئینِ سیاست کے لحاظ سے بھی، دو نہایت کمینے داؤں چلنے شروع کیے، یعنی وقتِ واحد میں اِدھر تو اس نے صلح کا یقین دلا کر، نواب صاحب کی فوجی کارروائیوں کو سست کر دیا۔ اور اُدھر ان کے قتل کے لیے اپنی وہی خفیہ سازش، جو قریباً سات ماہ سے ہو رہی تھی، بہ سرعت پایۂ تکمیل کو پہنچانی شروع کی جس میں ناصر جنگ کے دربار کے قریباً بیس بڑے بڑے سردار شریک تھے۔ اس طرح میدانِ جنگ میں، نواب کی آدھی فوج کے قریب اس کے ساتھ تھی، چناں چہ مظفر خاں گاردی قید ہو کر، مرزا محمد خاں بخشی کے حوالے کیا گیا تو اس نمک حرام نے بہ طورِ خود علیحدہ ساز باز کرنے کے واسطے، اسی کو اپنا ذریعہ بنایا، شاید یہ دوسرے سرداروں کی غداری سے بے خبر تھا۔ اسی لیے ڈوپلے کو لکھا کہ ہمت خاں حاکم کرنول عبدالنبی خاں حاکم کڑپہ، اگر آپ کے ساتھ مل جائیں تو ناصر جنگ بہ آسانی قتل کر دیے جا سکتے ہیں۔

دربار میں ایک اور اہم عہدہ رکھنے والے اس نئے مکر طینت نے جب اپنے خدمات

پیش کیے، تو فرانسیسی گورنر کو خیال ہوا کہ ان سارے غداروں کی کورنشی سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے لیے، قتل کی کارروائی میں ان کی انفرادی کوششوں کو جمع کر دینا چاہیے، کیوں کہ اب تک یہ لوگ، ایک دوسرے سے خائف ہو کر کے اپنے اپنے طور پر پوشیدہ اس کے لیے کام کر رہے تھے، اسی لیے ڈوپلے نے اس کا انتظام کیا، یہ اکٹھے ہوئے، اور نہایت رازداری کے ساتھ ان کو تدابیر قتل رُو بہ عمل لانے کی تاکید کی گئی، لیکن ڈوپلے ڈر رہا تھا کہ یہ بعید جس سے کثیر آدمی واقف ہو چکے ہیں، کہیں افشا نہ ہو جائے کیونکہ بعض اوقات اس سازش کے تکمیل کرنے کے لیے، اور اس کے انتظامات کی خاطر، باغی سرداروں کو اپنے ادنیٰ نوکروں پر تک اس راز کو ظاہر کرنا پڑتا تھا، اور خود بغاوت پیشہ حیران تھے کہ ان کا اس قدر خوفناک منصوبہ کس طرح پردوں میں چھپا چلا آ رہا ہے۔ یہ کھلی بات تھی کہ اس میں زیادہ دیر، ناکامی کا باعث بنتی، اسی لیے انھوں نے جلد سے جلد ناصر جنگ کو قتل کر دینے کی تجویزیں بنائیں، ایک طرف حالات کا یہ رنگ تھا، اور دوسری طرف نواب صاحب کے سفیر، پانڈیچری میں ڈوپلے کو یقین دلا رہے تھے کہ تم صلح میں تاخیر نہ کرو...... ناصر جنگ ابھی تمھاری رضامندی کے ساتھ ہی صلح نامہ پر دستخط کر دیں گے، اور کرناٹک سے اپنی فوج کو لیے ہوئے واپس ہو جائیں گے۔

قتل کی سازش میں جو ایک پوری جماعت کام کر رہی تھی، ان میں مرزا محمد خاںؒ بخشی سائر، رام داسؒ پنڈت، ہمت خاںؒ حاکم کرنول، عبدالنبیؒ خاں فوج دار کڑپہ، عبدالحکیم خاںؒ زمیں دار شاہ نور، شاہ بیگ خاںؒ خان ساماں، شیخ محمد سعیدؒ رسالہ دار نارنولی، جانوجی نبال کر، شجاعت خاںؒ خویشگی جمعدار قدیم، رائے بشن داس اور محمد انور خاں کے نام ملتے ہیں، مابقی نوشتہ کار، کافی الحال پتہ نہ چل سکا۔ بہ یک وقت پانڈیچری میں ناصر جنگ کے سفیر ڈوپلے سے صلح کی نسبت گفت و شنید

کر رہے تھے، اور سازشیوں کے کارندے بھی اسے یہ اطلاع دے رہے تھے کہ ناصر جنگ کے قتل کے سارے انتظامات مکمل کر لیے گئے ہیں، اور میدان جنگ میں اپنی، اور اپنے مقام وفوج کی شناخت کے لیے انھوں نے سفید نشان مقرر کیا ہے۔

اس موقع پر ایک مؤرخ نے یہ بالکل صحیح لکھا ہے کہ :۔

"ڈوپلے کو ہر طرح اپنی کامیابی کی امید تھی، اس کے لیے ناصر جنگ کا مارا جانا یا صلح کر لینا، دونوں مساوی حیثیت رکھتے تھے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں اس کا فائدہ ہی فائدہ تھا، اسی لیے اس نے ان میں سے کسی ایک کو ترجیح نہیں دی، اور دونوں صورتوں کو بخت و اتفاق پر چھوڑ دیا۔ ادھر تو اس نے ناصر جنگ کے ایلچیوں سے صلح نامہ کی منظوری طلب کی، اور ساتھ ہی اُدھر اپنی فوج کے کمانڈر کو جو جنجی میں پڑا تھا، حکم بھیج دیا کہ جب سازشی سرداروں کا یہ پیام آجائے کہ ناصر جنگ کے قتل کا پورا انتظام کر لیا گیا ہے، تو فوراً حملہ کر دیا جائے۔ ابھی ناصر جنگ کا دستخطی صلح نامہ پانڈیچری نہ پہنچا تھا کہ سازشی سرداروں کے حملہ کر دینے کی اطلاع جنجی پہنچ گئی اور قتل کی کارروائی، صلح کی کارروائی پر مقدم ہو گئی۔"

"اس موقع پر یہ کہنا، نامناسب نہ ہوگا کہ فرانسیسی گورنر کے اخلاق بھی قابلِ نفرت تھے، جس نے صلح کی کارروائی بھی جاری رکھی، اور اپنے جزوی مقاصد کے لیے ایک رئیس کے قتل میں پورا حصہ لیا، جو صلح پر آمادہ تھا، افسوس ہے کہ طلب جاہ و ملک انسان کو اسفل ترین جرائم کے ارتکاب پر آمادہ کر دیتی ہے۔"

ہنری ڈاڈول لکھتا ہے کہ باغیوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ وہ فرانسیسی کمانڈر، ڈاتیل کو، موقع پاتے ہی حملے کا اشارہ کر دیں گے، اور ان لوگوں نے یہ اطلاع، اس کو

ایسے وقت دی، جب کہ ڈوپلے، ناصر جنگ کی پیش کردہ تجاویز پر راضی ہو چکا تھا، اور ڈاتیل کے پاس قاصد کے ذریعے حکم بھیج رہا تھا کہ نواب صاحب سے معاہدہ طے پا چکا ہے لہذا مغلئی فوج پر حملہ ملتوی کر دیا جائے، لیکن بدقسمتی سے اِس قاصد کے پہنچنے سے قبل ہی ایک ذیلی فرانسیسی سردار "لاٹوش" ناصر جنگ کے کیمپ پر حملہ کے لیے نکل چکا تھا، چنانچہ اُس نے ۱۶ ۔ ڈسمبر کی صبح کو اچانک ان پر دھاوا بول دیا، اور وہ ڈوپلے کے حکم سے مطلع نہ ہو سکا[1]۔

ہماری تاریخیں لکھتی ہیں کہ ناصر جنگ کے کیمپ میں حملے کے تین روز قبل ہی (یعنی ۱۳ ۔ محرم ۱۱۶۴ھ) سے فرانسیسیوں کے اجتماع کا چرچا جاری تھا، اور ہر روز منافق سرداروں نے شدت کے ساتھ یہ مشہور کرنا شروع کر دیا تھا کہ آج رات فرانسیسی شب خون مارنے والے ہیں، لیکن نواب صاحب کو اس کا یقین نہ آتا تھا، کیوں کہ فرانسیسیوں سے ان کی صلح کی نسبت گفت و گو جاری تھی، اور صلح نامہ پر حملے سے ایک دن قبل ہی وہ دستخط بھی کر چکے تھے، پھر بھی احتیاطاً، متواتر تین دن تک لشکر تیار ہوتا رہا، اور حملہ نہ ہوا، چوتھے دن زوروں سے خبر اُڑی کہ آج رات فرانسیسی ضرور شب خون ماریں گے، مگر تین دن خالی افواہوں کے پھیلنے اور کسی واقعہ کے پیش نہ آنے کی وجہ سے، کسی کو آج بھی حملے کا یقین نہ تھا، بعض تو استہزا کرتے تھے۔ اس اثناء میں افترا پردازوں نے ایک اور جھوٹ کو شہرت دی کہ شاہ نواز خاں، جو لشکر میں موجود ہیں، فرانسیسیوں سے مِل گئے ہیں، ناصر جنگ کو خانِ موصوف پر پورا پورا اعتماد تھا، مگر وسوسوں کے تحت انھوں نے رات میں ان کو طلب کر کے حکم دیا کہ وہ آج کی شب ان ہی کے پاس ٹھیرے رہیں۔ اس امر کے بموجب شاہ نواز خاں نے اپنی جگہ متہور خاں کے دونوں داماد مصطفےٰ خاں، جاں باز خاں کو میر جلال الدین بخشی

---

[1] ڈوپلے اور کلائیو صفحہ ۱۲

کے ساتھ چھوڑا، اور خود نواب صاحب کے خیمے میں حاضر ہو گئے، لکھا ہے کہ اِس وقت تک بھی ناصر جنگ کو حملہ کا بالکل یقین نہ تھا۔

اس کے بعد ایک اور اطلاع ان کے گوش گزار ہوئی، جو راجہ رام چندر نے مقدمۃ الجیش سے بھیجی تھی کہ فدوی نے بہ چشم خود، فرانسیسیوں کو حرکت کرتے ہوئے اور جانوجی نبال کر اور پٹھان سرداروں کے آدمیوں کو فرانسیسیوں کے لشکر میں آمد و رفت کرتے دیکھا ہے، جسے جاں نثار خالی از علت نہیں پاتا، اس لیے تحقیقِ حال کے واسطے حضور کا اس جانب بہت جلد التفات فرمانا نہایت ضروری ہے۔

اس بناء پر ناصر جنگ نے اس خبر کی تصدیق کے لیے جانوجی کے پاس چوبدار بھیجے، لیکن اس غدار نے جواب میں کہلا بھیجا کہ "اللہ کے فضل سے سرکار کی رکاب میں بے حد کثیر فوج جمع ہے، اور فدوی جیسے ہزاروں جاں نثار موجود ہیں اگر دشمن کا کوئی فاسد ارادہ ہے تو اول جو کچھ گزرے گی، اس کے واسطے ہم فدایانِ دولت حاضر ہیں، خدانخواستہ بعد میں حضور کے لشکر تک نوبت پہنچے تو پہنچے رام چندر بچہ ہے، اس نے ابھی دیکھا کیا ہے؟ سپاہی ایسی خبروں پر ہنستے ہیں۔ حضرت آرام سے بے فکر رہیں۔"

اِن ہی واقعات کو مرزا افضل قاقشال کی زبان سے سنئے، جس میں کہ ان کی حیثیت خود شریکِ معرکہ اور شاہدِ عینی کی ہے:۔

"خبرِ ارادۂ آں فرقۂ ضالہ، جاسوساں، قریب بہ شام رسانیدند، ہماں وقت رضوی خاں، بموجب امرِ جلیل القدر، بہ طلب مدار المہام (یعنے شاہ نواز خاں) آمد و ثانی رقعۂ دستخطِ خاص، نیز رسید۔ فی الفور مدار المہام روانہ شدہ باریاب خلوت گشت۔ راقم الحروف نیز کمر بست، و بہ ہم راہش رفتہ بگوشۂ نشست، راجہ رام چندر، پسر راجہ چندر سین متواتر خبرِ آمدنِ کفارِ نصاریٰ می فرستادہ"

"مدارالمہام و بعضے دیگر از مقربانِ خاص بہ عرض می رسانیدند کہ نقارہ نواختہ بہ ترتیبِ صفوف پرداختہ، توپ و توپ خانہ راپیش فرستادہ مستعد وآمادہ باید ایستاد۔ باوجودِ عقلِ رسا و فہم و ذکا (بہ حکم قضا) قبول نہ فرمود۔ بہ جمیع سرداراں حکم فرستاد کہ جا بجائے خود باخبر باشند۔ چوں نصف از شب گزشت مدارالمہام از خلوتِ خاص بیروں تشریف آوردہ بہ احقر محرر، امر نمود کہ فرنگیاں می آیند، اما از سمتِ ہراولی کہ شمل ماست نمی آیند۔ می خواہند از عقبِ لشکر بیایند، شما در فوجِ ہمراہی ما رفتہ باتفاق بخشیاں باسائر سپاہ بہ حزم و ہوشیاری باشند، فقیر در جواب جرأت نمود کہ باوصف آمدنِ فرنگیاں، از بندگانِ عالی، ایں ہمہ غفلت و بے پروائی از چہ راہ .... فرمود، بسیار مذکور در حضور شد، آمدن فرنگیاں را مقرر نمی دانند، و مرا رخصت نمی فرمایند، لہذا فرستادنِ شما مقرر کردیم۔ از خدمتِ شیر نفس مرخص شدہ، در فوجِ ہراولی رسیدہ، جمیع بخشیاں را تاکید نمود...... چار گھڑی از شب باقی بود کہ صدائے توپ تفنگ بلند گشت۔ دراں وقت بندگانِ عالی از اندرونِ محل بہ اضطرارِ تمام برآمدہ، بہ ادائے وضو پرداخت، و باخود گفت کہ اے میر احمد! الحال خدا باشست۔ بر فیل سوار شدہ بہ نفسِ نفیس بروئے دشمناں راہی گشت۔ آں وقت ہم راہِ عالی جناب زیادہ از دو صد سوار نہ بودند مدارالمہام شاہ نواز خاں را حکم شد کہ در ہراولی پیشِ فیل ما بروند، بایشاں ہمگی بست سوار بودند و عقبِ فیلِ نشان ہجوم گھنالیاں بود و بس۔

سبحان اللہ زہے قدرت نمائی حضرتِ رب قدیر، فوجے بہ ایں

ہمہ عظمت و توپ و توپ خانہ، بایں قدر کثرت کہ بہ ہیچ سلاطین روزگار نہ شدہ بود، چگونہ ایں امیر نامدار را، غافل ساخت کہ بہ فکر و تدبیر نہ پرداخت[1]"

صاحبِ انور نامہ نے بھی اس خصوص میں جو کچھ لکھا ہے، اِس کا بھی یہاں پیش کرنا مناسب ہوگا، تاکہ اِس واقعے کی دوسری تفصیلات کے علم کے ساتھ، مختلف بیانوں سے بھی اِس سانحے پر روشنی پڑسکے۔

"اسماعیل ابجدی، قتل کی سازش کا بانی مہانی رام داس کو ٹھہراتے ہیں، اور لکھتے ہیں کہ یہ سیکاکول کا رہنے والا، اور انور الدین خاں مرحوم کا ایک ادنیٰ ملازم تھا، قسمت نے یاوری دکھائی تو ترقی کرکے، ناصر جنگ کے لشکر میں اسے ایک بڑا فوجی عہدہ مل گیا۔ اِسی نے افاغنہ کو سازش میں شرکت کی دعوت دی تھی، اور ناصر جنگ کو تباہ کرنے کے لیے، قلعہ ترّی وادی کی طرف بڑھنے کا مشورہ دیا تھا، اور اُدھر فرانسیسیوں اور چندا صاحب کو شب خون پر ابھارا۔ راہ میں ایک قلعہ پڑتا تھا، جس میں حسین دوست خاں کی بیوی رہتی تھی، نواب صاحب نے اس پر چڑھائی کا ارادہ کیا، لیکن محمد علی (عمدۃ الملک) نے روکنے کی کوشش کی، وہ نہ مانے، اور ۲۴ جمادی الاخریٰ کو ان کا اس قلعے سے گذر ہوا۔ اکثر امرا ناصر جنگ کے اس بے معنی کوچ سے رنجیدہ ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ بجائے ادھر کے، پھلجری میں کر خیمہ زن ہوں، لیکن ان پر کسی کی باتوں کا اثر نہ ہوسکا۔ اسی وجہ سے بعض دانش پسندوں نے تو اِس موقع پر نواب صاحب کا ساتھ چھوڑ دیا، اور اپنے وطن چلے گئے۔"

---

[1] تحفۃ الشعرا، قلمی صہ ۱۲

غرض فرانسیسیوں نے تری وادی پر حملہ کرکے، تیسرے دن قبضہ حاصل کرلیا۔ بعض محسن کُشوں نے از راہِ مکر، ایسے وقت، ناصر جنگ کو کنچن نگر، اور چینگل پیٹ جیسے معمولی علاقوں کو حاصل کرلینے کی رائے دی، اور سبب یہ بیان کیا کہ یہ بہت زرخیز عمدہ مقامات ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن کا قبضہ ہوجائے۔ اِس سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ ناصر جنگ کی توجہ دشمن کی فوجی کارروائیوں کی طرف سے ہٹی رہے۔ چناں چہ یہ فریب چل گیا اور ناصر جنگ نے محمد علی خاں کو جبر کے ساتھ روانہ کردیا۔ اس اثنا میں سخت بارش شروع ہوئی۔ محمد علی خاں نے جنجی کے قریب پہنچ کر، وہاں سے نواب صاحب کی خدمت میں اطلاع بھیجی کہ وہ دشمن سے مقابلے کے لیے بیل پور پر خیمۂ جنگ ایستادہ کریں تو مناسب ہوگا، کیوں کہ یہ وسطی مقام ہے، اور کشادہ و وسیع بھی۔ اِس رائے کو ناصر جنگ نے منظور کرلیا، لیکن خان عالم نے کہا کہ سرکار! کل عطارد برج میں ہوگا ایسے دن کوچ مناسب نہیں۔ البتہ جس رُوز برجیس (مشتری) ہوگا، اُس دن فوج کوچ کرے تو مناسب ہے، لیکن مشیت ہی کچھ اور تھی، کہ یہاں سے جہاں ٹھہرے ہوئے ہیں، آگے نہ بڑھ سکیں۔ فرانسیسیوں نے شب خون کی تیاری کی۔ میر سیف اللہ نامی ایک شخص جو حسین دوست خاں کا آدمی تھا، پوشیدہ طور پر افاغنہ کے پاس گیا، اور اس نے نواب کرنول دھمت بہادر کو سازش کی تمام ضروری باتوں سے آگاہ کیا۔ اِس راز کا پتہ میر دائم کو چل گیا، اُس نے ناصر جنگ سے شب خون کی کیفیت عرض کی، لیکن نواب صاحب کو یقین نہ آیا، اور کہا کہ بدگمانی مسلمانوں کے شایان نہیں۔ بے چارہ

یہ جواب سن کر خاموش ہوگیا۔

حسب سازش فرانسیسی شب خون کے لیے نکلے، ان کی سواری حسن الدین خاں ڈاتیل، اور لاس (لاٹوش) کر رہے تھے۔ جب ہر طرف یہ لوگ سفید نشان لے کر دوڑتے نظر آئے، تو اس وقت بعض افسروں نے مظفر جنگ کو قتل کر دینے کے لیے کہا، لیکن ناصر جنگ اپنے میں نہ تھے، کلام مجید کی تلاوت کر رہے تھے، راضی نہ ہوئے[1]

قتل سے قبل، ناصر جنگ کے خاص حالات اور کیفیات

الحاصل محرم الحرام ۱۱۶۴ھ کی سترھویں تاریخ پنجشنبہ کو آدھی رات کے بعد، نواب صاحب نے قضائے حاجت سے فارغ ہوکر کھانا طلب کیا، اس کے بعد چوکی پر بیٹھ کر وضو فرمایا، اور تہجد کی تیاری کی، جو اُن سے کبھی ناغہ نہیں ہوئی تھی، علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی (جو ناصر جنگ کے استاد، اور اکثر و بیشتر اُن کے ہم راہ سفر و حضر میں رہا کیے) سرو آزاد (جلد دوم) میں تحریر کرتے ہیں کہ:۔

"اُس رات، جس کی صبح کو ناصر جنگ شہید ہوئے، میں تمام شب اُن کی خدمت میں حاضر رہا۔ پچھلی کو اُٹھ کر انھوں نے اپنے ہاتھ سے دستار باندھی اور بار بار آئینہ دیکھنا شروع کیا، اور ہر دفعہ اپنے عکس کو مخاطب کر کے فرماتے جاتے تھے کہ اے میر احمد! تیرا خدا حافظ ہے، اس کے بعد وضو ہونے کے باوجود، تازہ وضو فرمایا، اور دوگانہ ادا کر کے وظیفہ پڑھنا شروع کیا۔"

اِس اثناء میں یکایک توپوں کی آوازیں آنے لگیں، اور اس وقت پانچ گھڑی رات باقی رہ گئی تھی، دریافت کیا کہ یہ توپ کی آوازیں کس لیے آ رہی ہیں، کسی غدار نے پھر دھوکہ دے کر کہا کہ غالباً کوئی ہاتھی مست ہوگیا ہے، اس پر لوگ ہنگامہ کر رہے ہیں۔ ناصر جنگ اِس بات سے مطمئن نہ ہوئے، اور سواری خاصہ کا ہاتھی طلب کیا

[1] انور نامہ قلمی صفحہ ۱۹۶ ۱۲

حسب الحکم چاند خاں فیل بان فوراً لے کر حاضر خدمت ہوا۔
آزاد مرحوم فرماتے ہیں کہ:-

"وہ اسی عالم میں وظیفہ پڑھتے ہوئے خلافِ معمول اسی سادہ لباس میں سوار ہو گئے، یعنی زرہ بکتر نہیں پہنی، جس کو وہ ہمیشہ جنگ میں زیب تن فرمایا کرتے تھے، صرف معمولی کپڑوں ہی پر اکتفا کی۔"

فتح الدین خاں عرض بیگی کو خواصی میں بٹھا کر، میدان کی طرف بڑھے۔ ان کے خیمہ سے برآمد ہونے تک، فرانسیسی سردار، ڈی لاتوچی (لاٹوش) مسٹر ڈاتیل کے ہمراہ آٹھ سو یوروپین اور تین ہزار ہندوستانی سپاہیوں کے ساتھ حملہ کر چکا تھا۔ اور ڈاتیل نواب صاحب کے ہراول دستہ کو شکست دے کر، توپیں مارتے ہوئے، نصف لشکر تک گھس آیا۔ ایک مورخ کا بیان ہے کہ اس وقت ناصر جنگ کی فوج کا یہ حال تھا کہ وہ حملے سے بے فکر، رات کو خوب پیٹ بھر کھا، اور افیون چڑھا، آرام سے سوتی پڑی تھی، جب تک کہ سیکڑوں کو فرانسیسیوں کی توپوں نے خواب عدم میں نہ سُلا دیا بیدار نہ ہوئی، ایسے عالم میں، اس شب خون کا نتیجہ یہی ہوا کہ بے دریغ لوگ مارے گئے اور جو بچ رہے، وہ فرار ہونے لگے۔ مزید نقصان یوں بھی پہنچا کہ ناصر جنگ کی جو توپیں میدانِ جنگ میں گولہ بارود سے تیار کھڑی تھیں، اُن پر فرانسیسیوں نے قبضہ کر کے اُن کا منھ اِن کے لشکر ہی کی طرف پھیر دیا، اور بے پناہ آتش باری شروع کر دی دشمن بے کھٹکے لشکر میں گھس آیا، کیوں کہ غداروں نے سارے میدانِ جنگ سے اُن کو واقف کرا دیا تھا، اور وہ جانتے تھے کہ غنیم کے لشکر میں سب ہمارے مددگار موجود ہیں۔ جیسا کہ ہم نے قبل لکھا ہے، اِن سازشیوں نے رزم گاہ میں، اپنے مقام کی نشان وہی کے لیے فرانسیسیوں کو مطلع کر دیا تھا کہ جس ہاتھی پر سفید نشان ہوگا، وہیں ہم اور ہماری فوج ہوگی، جو تمہاری منتظر رہے گی۔ یا انگریز مورخ کی تحریر کے مطابق

ڈوپلے نے اِن کے قاصدوں کو خود یہ سفید نشان (جھنڈا) دیا تھا، اور کہہ دیا تھا کہ فرانسیسی اس کو دیکھ کر آپ پر گولہ باری نہیں کریں گے[1] چناں چہ جب یہ قلب لشکر تک گھس آئے، تو ان کو ابتداءً خوف ہوا، لیکن جب اُن کی نظر اِس سفید جھنڈے پر پڑی تو مطمئن ہوئے۔

ناصر جنگ کے اخلاق اپنے قاتل کے ساتھ

ناصر جنگ، لشکر کا یہ حال اور فوج کو کٹتے اور فرار ہوتے ہوئے دیکھ کر کسی بات کی پروا کیے بغیر، انتہائی اضطراب کے عالم میں بڑی دلیری و جسارت کے ساتھ، صفوں کو چیرتے، آگے بڑھتے چلے آئے، اور اپنا ہاتھی فرانسیسیوں اور سازشیوں کے بیچ میں پہنچا دیا۔ قریباً تین ہزار سوار گرتے پڑتے اُن کے ساتھ ہو لیے۔ ناصر جنگ نے یہاں پہنچ کر اور بھی بد تر حال دیکھا کہ فرانسیسی اور تلنگے ہر جگہ گھس گھس کر بے باکی کے ساتھ لوٹ مار مچا رہے ہیں۔ اس کے باوجود ان کے سردار و سپاہی منہ دیکھتے کھڑے ہیں، انھوں نے اپنے فوجیوں کو جرأت و ہمت دلانے کے لیے للکارا ابھی وہ اپنے دائیں بائیں سپاہیوں کو جوش دلا کر مقابلہ کے لیے بڑھانے نہ پائے تھے کہ سامنے ہی اُن کی نظر ہمت خاں حاکم کرنول پر پڑی، جو ہاتھی پر سوار خاموش کھڑا تھا انھوں نے اس خیال سے کہ وہ ان کا ماتحت، اور اِن کی جانب سے دشمنوں کے مقابلہ کے لیے شریک ہوا ہے، اور اس کی وفاداری کے بھروسے پر کہ اس کو قید سے رہا کرنے کے علاوہ بہت سارے احسان کیے ہیں، اپنے ہاتھی کو اُس کے قریب پہنچایا، تاکہ اِس کو بھی اپنے ساتھ لے کر گھس پڑنے والے دشمن کا مقابلہ کریں، اِسی لیے اپنے فطری خُلق کے باعث، اِس کو دیکھ کر خود سلام میں پیش قدمی کی، لیکن ہمت خاں نے اِس کا جواب نہ دیا۔ انھوں نے سمجھا کہ شاید اس وقت برابر اُجالا پھیلا نہیں ہے اور وہ مجھے سادہ لباس میں دیکھ کر پہچان نہیں رہا ہے، اِس لیے عماری سے کچھ تھوڑا سا اُٹھ کر، اور گردن بلند کر کے، اُس کو دوبارہ سلام کیا، اور کہنے لگے " بھائی! یہ

---

[1] ڈوپلے اور کلائیو ص۶۹ بحوالہ کارلو ص۲۸۱ ۱۲

وقت کوشش و مردانگی کا ہے، دشمن کے مقابلے کی تدبیر کرنی چاہیے،' افسوس و حیرت ہے کہ تم اِس حقیر و کم تعداد دشمن کے مقابلے کی بجائے، خاموش کھڑے ہو، اور تمھیں شاہی فوج کی عزت و آبرو کا کچھ خیال نہیں۔"

بعضوں نے لکھا ہے کہ اِس کے جواب میں ہمت خاں حاکم کرنول نے اپنے ہاتھی پر عقب میں بیٹھے ہوئے آدمی کو فیر کرنے کا اشارہ کیا، لیکن گولی نشانہ پر نہ بیٹھی، یہ دیکھتے ہی فوراً اُس نے اپنی قرابین سنبھالی، جس میں دو گولیاں بھری تھیں، پے در پے چلائیں جو ناصر جنگ کے سینے سے پار ہو گئیں[1]۔ یہ حالت دیکھ کر فتح الدین خاں عرض بیگی جو خواصی میں ہاتھی پر ساتھ تھا، اُن کے سینہ پر پیر رکھ کر نیچے کود گیا۔ افسوس! ع

آشنا را حال ایں است، وائے بر بیگانہ

باغی پٹھانوں میں سے کسی آدمی نے آگے بڑھ کر، اُس کے تلوار ماری، سخت گھائل ہوا مگر زندہ بچ رہا۔ ناصر جنگ کے نقار خانہ کا دارو غہ حاجی سبحانی، جو تان سین کی اولاد سے تھا، یہ بھی مارا گیا، اور مرزا محمد خاں بخشیٔ سائر فرانسیسیوں سے دوستی کے باوجود، ہاتھی سے کود کر بھاگنے لگا، تو ناصر جنگ کے ایک سپاہی نے جو پاس ہی کھڑا تھا، اُس پر یہ کہتے ہوئے تلوار ماری کہ "مالک کا یہ حال ہوا، اور تو بخشیٔ سائر ہو کے بھاگتا ہے" لیکن خوش قسمتی سے صرف اُس کے کان کی لَو کٹی، اور بچ نکلا۔ محمد ماہ (المخاطب نصیب یار خاں وظفر یار خاں) کو بندوق کی گولی لگی، اور وہ چند دن کے بعد مر گیا۔ قاضی سید محمد دائم کے بھی ایک گولی بہت دور سے لگی تھی، اِس لیے کوئی ایسا کاری زخم نہ لگا، اور وہ فرار ہو گیا۔ مخالفین میں سے ایک شخص، ناصر جنگ کی نعش سے اُن کا سر جدا کرنے کے لیے

---

[1] مآثر الامرا جلد سوم ص۸۳۵ پر لکھا ہے کہ "درہماں فرصت ہمت خاں و شخصے کہ در خواصیٔ او نشستہ بود، تفنگہا متعاسر داوند ہر دو تیر و تفنگ بسینۂ نواب رسید۔" مرزا افضل بھی کہتا ہے کہ ہمت خاں نے بندوق چلائی، اور اِس کے ساتھ اُس کے ساتھی نے بھی فیر کیا، جو کارگر ہوا (تذکرہ تحفۃ الشعرا قلمی ص۸۳)

اُن کے ہاتھی کے قریب پہنچا، اور اُن کے جان نثار فیل بان، چاند خاں سے بٹھانے کو کہا، اُس نے یہ جواب دیتے ہوئے تلوار سُونت لی کہ "تجھ ایسے بے ایمان کے کہنے سے میں ہاتھی کو نہیں بٹھا سکتا" اور آگے بڑھ کر ایک ایسی ضرب لگائی کہ اُس کا کام تمام ہوگیا، لیکن اِس مقتول کا ایک اور ساتھی آ پہنچا، اور اُس نے اِس اثنا میں چاند خاں پر ایسا وار کیا کہ اِس بے چارے نے بھی اپنے مظلوم آقا کا ساتھ دیا۔ اس کے بعد اِس قاتل نے خود ہاتھی کو بٹھایا، اور بے گناہ شہید ہونے والے پیکرِ خُلق و وفا نواب کے بے جان جسم سے سر کو جُدا کر لیا اور مظفر جنگ کے پاس پہنچا، جو نظر بند ہونے کی وجہ ایک گھٹا ٹوپ "عماری میں سوار تھے"، اِن کی خدمت میں ماموں کا سَر نذر کیا، اور صوبہ داریٔ دکن کی مبارک باد دی ؎

آہ ایں چہ دوستی است کہ سرہائے یک دگر   خویشاں بریدہ، در رہِ قاتل نہادہ اند

مظفر جنگ کو اُن کے اپنے ہاتھی سے اُتار کر، ناصر جنگ کے ہاتھی پر سوار کرایا گیا اُنھوں نے حکم دیا کہ، سر نیزہ پر بلند کر کے سارے لشکر میں پھرایا جائے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ ناصر جنگ کو تنہا دیکھ کر، ہمت خاں، عبدالنبی خاں اور عبدالمجید خاں کا بیٹا بہلول خاں، تینوں مل کر اِن کے پاس آئے، اور ان لوگوں میں سے ہمت خاں نے "شیر بچہ" جو ہاتھی پر پاس رکھا ہوا تھا، نواب صاحب کے سینے میں مارا، جس سے اُن کا "کام تمام ہوگیا"، اور وہ اپنے ہاتھی سے نیچے گر پڑے۔ قاتل نے فوراً سَر جسم سے جدا کر کے مظفر جنگ کے خیمے کی راہ لی، اور اس کو پیش کر کے مبارک باد دی ؎

دریں حدیقۂ بہار و خزاں ہم آغوش است   زمانہ جام بدست و جنازہ بر دوش است

تاریخ و مقامِ قتل

الغرض اس شب خون کے اختتام تک صبح ہو چکی تھی، اور ماہ محرم ۱۱۶۴ھ کی سترہ تاریخ، پنجشنبہ کا دن تھا، شاہ نواز خاں "مآثر الامراء" میں بیان کرتے ہیں کہ جنتری کے

لحاظ سے تو "ستر" لیکن رویتِ ہلال کی رو سے سولھویں تاریخ تھی اور گرانٹ ڈف مؤلف تاریخ مرہٹہ ۵۔ ڈسمبر ۱۷۵۰ء بتاتا ہے اور ڈاڈول ۱۶۔ ڈسمبر ۱۷۵۰ء[1] لیکن ان اختلافات میں صرف شاہ نواز خاں کا بیان قابلِ اعتماد ہے، اور یہی تاریخ صحیح ہے۔ ناصر جنگ کے مقامِ قتل کے متعلق سروِ آزاد میں لکھا ہے کہ یہ جگہ پھلچری (پانڈیچری) سے قریباً ۲۰ کوس، قلعۂ جنجی کے قریب واقع تھی[2]

نواب شہید کے مال و اسباب اور اُن کے کتب خانہ و جواہرات کی لوٹ

اور صاحبِ انورنامہ کا بیان ہے کہ شہادت کے وقت، ناصر جنگ کے ساتھ، دو کروڑ کا زر و سیم مسکوک اور دو کروڑ سے بھی کہیں زائد قیمت کے جواہرات تھے، اس کے علاوہ نوسو توپیں بھی تھیں، ہاتھی گھوڑے، اور دیگر اجناس وغیرہ، جن کی قیمت قریباً ایک کروڑ تھی، یہ سب، غارت گروں کے ہاتھ لگے اس مالِ غنیمت کے چھے حصے کیے گئے، پہلا مظفر جنگ کا تھا، دوسرا عبدالنبی خاں کو ملا، تیسرا اور چوتھا ہمت بہادر و عبدالکریم[3] میں تقسیم ہوا۔ پانچواں ویلکس (ڈوپلے) اور چھٹا جانوجی مرہٹہ کو دیا گیا، لیکن اس نے اس کو کم سمجھ کر واپس کر دیا[4]

اور ہنری ڈاڈول لکھتا ہے کہ، نظام الملک نے اپنی طویل حکومت کے زمانے میں، جو کثیر مال و دولت جمع کی تھی اور اُن کے انتقال کے بعد، جس پر ناصر جنگ قابض و متصرف ہو گئے تھے، اس کا بیشتر حصہ اس وقت ان کے ساتھ تھا، جس میں جواہرات کے ۱۸ صندوق اور نقرہ و زرِ خالص کے نقد، ایک کرور غیر مسکوک سکے بھی تھے، جو پانڈیچری لائے گئے اس کی بدولت سارے شہر میں روپیہ ہی روپیہ نظر آتا تھا، کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ ملازم بھی اس سے متمتع ہوئے بغیر نہ رہ سکا[5]

شاہی کتب خانہ کی تباہی کا حال عبدالرزاق صمصام الدولہ شاہ نواز خاں کے

---

[1] تاریخ مرہٹہ ڈف صفحہ ۲ جلد دوم اور کتاب ڈوپلے اور کلائیو صفحہ ۸ ۱۲ [2] سروِ آزاد قلمی صفحہ ۸۰ و چمنستانِ شعرا مطبوعہ صفحہ ۳۱۲

[3] یہ نام درست نہیں معلوم ہوتا کیوں کہ اس ہنگامہ میں اس نام کے کسی آدمی کا کوئی حال نہیں ملتا ۱۲ [4] انورنامہ صفحہ ۱۰۳ قلمی کتوبہ ۱۲۱۰ھ [5] ڈوپلے اور کلائیو صفحہ ۸ بحوالہ خط بنام کمپنی ۱۵۔ نومبر ۱۷۵۱ء و کلرڈ صفحہ ۲۵ ۱۲

ایک خط سے ہوتا ہے، جو انھوں نے مغلیہ دربار کے شاہی ہرکارے راجہ کیسوراؤ کو لکھا ہے، دیگر تفصیلات کے بعد، خانِ موصوف تحریر کرتے ہیں کہ:۔

طشتِ ناداری، از بامِ دولتِ آصفیہ افتادہ، و آوازۂ بے خبری اور

چار دانگِ ممالک پیچیدہ۔ نہ خزانہ و نہ جنسِ کارخانہ جات رکاب روز

سانحۂ نواب شہید بہ غارت رفت ...... از کتاب خانہ حیدرآباد و

ہفت ہزار کتاب بود، یک ہزار و پانصد جلد برآمد کہ بہ پنج ہزار روپیہ

نمی رسد[1]

الحاصل جوں ہی ناصر جنگ کے قتل کی خبر پھیلی، پورے لشکر میں عجیب طوفان برپا ہو گیا، اور ساری فوج بھاگنے لگی۔ ہزاروں آدمی زخمی ہوئے اور مارے گئے، یار عالم اور شیخ علی جنیدی، جو نواب صاحب کی تلاش میں آئے تھے، ان کا سر نیزہ کی نوک پر دیکھ کر فرار ہو گئے۔

محمد انور خاں نے ناصر جنگ اور اُن کے تینوں بھائی (صلابت جنگ، اسد جنگ نظام علی خاں، اور بسالت جنگ) کی بیگموں کو راجہ رام چندر کے لشکر میں پہنچایا، جس کو نواب شہید نے مقدمۃ الجیش بنا کر مامور کیا تھا، اس نے اِن ہنگامے میں ان سب کو اپنے لشکر میں حفاظت کے ساتھ رکھا۔

اِس وقت شاہ نواز خاں بھی ہاتھی سے اُتر کر کہیں پناہ لینا چاہتے تھے سازشی جماعت کے چند جمعدار یہ دیکھ کر ان کے پاس آئے اور کہا، "آقا کا یہ حال ہوا اور تم مدار المہام ہونے کے باوجود بھاگے جاتے ہو، بلکہ ہمارے ساتھ آؤ اور مل کر دشمنوں سے مقابلہ کرو۔" شاہ نواز خاں نے اِن لوگوں کی اس گفت و گو کو فوراً سمجھ لیا کہ وہ دھوکا دے کر، گرفتار کر لینا چاہتے ہیں۔ اُنھوں نے بھی ایک چال کی، اور کہا

---

[1] مکتوبات شاہ نواز خاں صمصام الدولہ ص۱۶۱ قلمی (مسعودیہ بہ دیگر کتب) ۱۲

"اولاً تم سب مل کر جمع تو ہو جاؤ تاکہ میں تمھارا ساتھ دے سکوں۔ اور تمھارے اکٹھے ہونے تک میں تمھارا انتظار کرتا رہوں گا۔" یہ سُن کر اِن لوگوں نے شاہ نواز خاں کے پاس پانچ چھے سوار چھوڑے کہ وہ ان کی نگرانی کرتے رہیں، اور خود چلے گئے۔ اتفاق سے تھوڑی دیر بعد میر نجف علی خاں کا ایک بھائی محب علی خاں بخشیٔ خاصہ برداران، اِدھر آ نکلا، ان کو اس حالت میں دیکھ کر، سواروں کے پنجے سے چھڑایا، اور "دَاوَر بخش" داروغۂ خوش بو دار خانہ" کو بھی ان کے ساتھ اپنے ہم راہ لے کر یہاں سے نکل پڑا۔ مدارالمہام کے لیے ایک سوار کا گھوڑا چھینا گیا، اور ان کو سوار کرا کے یہ سب قلعۂ "جبیت بیٹ" کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ پڑھ کر تعجب ہوتا ہے کہ شاہ نواز خاں گھوڑے کی سواری کے عادی نہ تھے اثنائے راہ میں اتنا تھک گئے کہ ایک ایک قدم چلنا اُن کے لیے دشوار ہو گیا، قلعہ کے متصل تالاب تھا، مجبور ہو کر، اس کے کنارے جا بیٹھ رہے۔ میر اسد علی نامی ایک شخص نے (جو ناصر جنگ کے لشکر سے نکل کر، اِن لوگوں سے قبل یہاں آیا تھا) ان کو قلعہ میں لے جا کر رکھا۔

اِس طرح میدانِ جنگ خالی ہو گیا، اور شام کے قریب فرانسیسی کمانڈر ڈی لاتوچی (لاٹوش)، اپنی فوج کو لیے ہوئے، مظفر جنگ کے پاس مبارک باد کے لئے آیا، اُنھوں نے اِس کی بڑی خاطر مدارات کی، اور اُس کی خدمات کا بے حد شکریہ ادا کیا

تدفین، اور ناصر جنگ کے خونِ ناحق کا بدلہ

دوسرے دن ناصر جنگ کے سَر کو اُن کے جسم کے ساتھ سی کر، اورنگ آباد کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ اِن کی فوج کا ایک سردار محمد انور نامی تھا جو قوال بھی تھا، اِس کو ناصر جنگ نے تین سو سوار دے کر ایک گڑھی پر مقابلے کے لیے بھیجا تھا، وہ وہاں لڑ رہا تھا، جب اُس کو ان کے قتل ہو جانے کی اطلاع ملی، تو فوراً رزم گاہ کی طرف آیا۔ جب کہ یہاں سارا معاملہ ہی ختم ہو چکا تھا، اور اس وقت اُن کا تابوت روانہ ہو رہا تھا۔ انتہائی حسرت و افسوس کے ساتھ، یہ بھی اِن کی نعش کے ہم راہ

اورنگ آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔ تحفۃ الشعراء میں ہے :-

"روزِ دوم، قاضی لشکر بہ لوازمہ غسل و تکفین پرداختہ می خواست، جائے دفن نماید، دریں ضمن ولی بیگ نام کہ از کمینہ چاکرانش بود، بہ سبب صحبت بیساولی، روشناسی داشت، رسید، از رُوئے نمک حلالی، بدون گفتۂ آن نمک حراماں، باکمالِ دلیری، جنازۂ پاکِ اُو برداشتہ، روانۂ اورنگ آباد گردید۔ ولی بیگ، یکہ سوارہ بے چارہ چہ طاقت و قدرت داشت کہ از جماعۂ آں مخالفانِ ناپاک، جنازۂ شریف اُورا بر می داشت۔ ایں ہمہ امداد و اعانتِ رُوحِ پر فتوحِ آں شہید مظلوم بود کہ بہ عمل آورد۔ بعد ایں واقعۂ جاں سوز، نواب شاہ نواز خاں از درد و غم، دست از منصب و نوکری برداشتہ، بہ ارادۂ انزوا، از ارکاٹ بہ بلدۂ اورنگ آباد تشریف می آورد۔ ایں جامع اوراق (یعنی افضل قاقشال) نیز بہ رفاقتش بود۔"[1]

اثنائے راہ میں، منزل بہ منزل جہاں جہاں ناصر جنگ کا تابوت ٹھہرتا، اُن کے گلے سے خون ٹپکتا تھا۔ ان کی مظلومیت، اور نیک دلی سے عوام اِس قدر متأثر تھے کہ لوگوں نے اس مقام پر ایک جھنڈی نصب کر کے نقارہ بٹھا دیا، اور فاتحہ خوانی شروع کر دی۔ بلالحاظِ مذہب و ملت، یہ رسم ہر جگہ کے ہندو اور مسلمانوں میں جاری ہو گئی۔[2] ساٹھ دِن کے بعد اُن کا جنازہ اورنگ آباد پہنچا، اور ۱۰۔ ربیع الاول ۱۱۶۴ھ کو حضرت شاہ برہان الدین غریبؒ کے روضۂ مبارک میں، اپنے والد بزرگوار نواب مغفرت مآب حضرت آصف جاہِ اوّل کی قبر کے بائیں جانب پائنتی دفن کیے گئے اور

---

[1] تحفۃ الشعراء قلمی ص ۱۰ "

[2] یہاں حیدرآباد میں بھی ایک مقام (جو موجودہ عثمانیہ ہسپتال کی سڑک کے آخری مغربی گوشے میں مسلم جنگ کے پل کے متصل جہاں اب کوتوالی کا تھانہ اور مسجد ہے اور محلہ دال منڈی واقع ہے) ناصر جنگ کے چلہ سے موسوم تھا، کاش ہماری حکومت اِس یادگار کی حفاظت کی طرف توجہ فرمائے۔

اور اُن کی قبر کا مجاور، ولی بیگ یساول کو بنایا گیا۔ سچ ہے ؎

بہ عالم گر کسے پایندہ بودے　　　ابوالقاسم محمدؐ، زندہ بودے

یہ اَمر بڑا حیرت ناک اور قابلِ عبرت ہے کہ ساٹھ دن کے بعد، جس روز ناصر جنگ کی نعش قبر میں اُتاری جا رہی تھی، اُس وقت تک قدرت نے اس نیک دل مظلوم نواب کے سامنے قاتلوں اور اکثر و بیشتر سازشیوں کو تہِ تیغ کرا دیا۔ گویا۔ ان لوگوں کو کسی نے پاداش میں چُن چُن کر قتل کر دیا۔ ہمت خاں مارا گیا، جس کے پیٹ کو چاک کر کے نجاست و خس و خاشاک سے پُر کیا گیا، اور نوکِ نیزہ پر بلند ہوا[1] اور خود مظفر جنگ تاریخِ قتل سے ایک مہینہ میں (یعنی پچاس دن تک) زندہ رہے، اور اُسی ہمت خاں، قاتلِ ناصر جنگ کے ہاتھوں مارے گئے[2] اور ڈوپلے جس طرح رسوائے عالم ہو کر بے کسی کی موت مرا ہے، اُسے ہر تاریخ دان جانتا ہے ؎

دیدی! کہ خونِ ناحقِ پروانہ، شمع را　　　چنداں، اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

شاہ نواز خاں پر ناصر جنگ کے قتل کرا دینے کا "غلط الزام"

لوگوں نے بعد میں مشہور کر دیا تھا کہ شاہ نواز خاں نے ناصر جنگ کو شہید کرا دیا ہے، چناں چہ وہ اپنے ایک خط میں جو قوی جنگ کے جواب میں لکھا ہے، لکھتے ہیں کہ:۔

> خطِ صاحب (؟) رسید، آں چہ از اخبار و تشویش نوشتہ بودند، مزاج صاحب چناں افتادہ و خلقی است، علاج ندارد۔ چہ زندگی است کہ کسے شبانہ روز صرف خیالاتِ واہی کند۔ از بدنامیٔ من نوشتہ بودند، کرا پروا ست بدنامی را خریدی کنم، زیادہ بریں چہ می باشد کہ من عاشقِ نواب شہیدِ سعید بودم و مردم بہ خونِ او تہمت کردند۔ حالا ہم نزدِ خدا و نفسِ خود خجالت نہ دارم الآن خیریتِ جانِ نواب نظام الدولہ بہادر، و آبرو و بہبودِ ایشاں می خواہم اما اجتماعِ اسباب، کسے چہ کند، عوام چہ می دانند، کارکناں قضا و قدر

---

[1] تذکرۃ الامراء جاہی ورق [؟] [2] اس کی تفصیلات "سوانح مظفر جنگ" میں بیان ہوں گی۔

درکار اند، ہرچہ مشیتِ ایزدی است، بروزمی کند، وآں چہ شدنی است می شود۔ مقرر کردہ ام کہ در راہِ بازارسے نفقیر و لچہ...... رکیک بہ گوید بلا تلاشی بخشند، بلوا چہ معنی دارد؟[1]

ناصر جنگ کے شہید کہلانے کے اسباب

معتبر مؤرخین لکھتے ہیں کہ ناصر جنگ نے اپنی شہادت سے ایک ماہ پہلے ایک خدا رسیدہ درویش کے ہاتھ پر تمام گناہوں اور منہیات سے توبہ کرکے، بیعت کرلی تھی، اور شہادت تک کسی ناجائز امر کا ارتکاب نہیں کیا تھا، نیز بے گناہ مارے گئے تھے، اِسی وجہ سے لوگ انھیں شہید سمجھتے ہیں، کیوں کہ وہ تادمِ مرگ گناہوں سے پاک رہے، اور سچے دل سے توبہ کرکے پابند ہوچکے تھے۔ اِس کی حقیقی تفصیلات افضلِ قاقشال سے سنئے وہ لکھتے ہیں:۔

"قبل از شہادت از جمیع مناہی، توفیقِ توبہ یافت، وسبب توبہ آں داشت، روزے کہ از بلدۂ ارکاٹ بہ عزمِ جہادِ کفارِ نصاریٰ برآمد داخلِ خیمہ گشت، آں روز، شاہ غلام مصطفیٰ قادری ساکن بلدۂ مسطور مدار المہام شاہ نواز خاں را طلب داشتہ، فرمود کہ در معاملہ دیدہ شد کہ چند کس قبرے درست می کردند، وطرفے مسند آرایش می یافت۔ چوں تفحص نمودم، معلوم شد کہ قبر از نظام الدولہ ومسند از ہدایت محی الدین بود دریں صورت پیمانۂ عمرِ نظام الدولہ فرو است بنا بر محبتِ دینی، ایں معنی را مکشوف کردم، الحال باید کہ از جمیع معاصی توبہ نمایند۔ مدار المہام جواب داد کہ بہ اظہارِ حقیقتِ درستی قبر و مسند، جرارت نہ خواہد شد، ارشادے کہ برائے توبہ شدہ، البتہ بہ عرض می رسانم۔

---

[1] مکتوبات شاہ نواز خاں قلمی ص۳۲۱

بعد کہ از خدمتِ آں درویشِ صفا کیش، رخصت یافتہ، باریابِ حضور گشت، آں چہ درویش تاکید بہ توبہ نمودہ بود، عرض نمود۔ فرمود کہ حسب الارشادِ کرامت بنیاد ..... از ہمہ مناہی توبہ از جان و دل کردیم، و مشتاقِ ملاقاتِ آں دوستِ آخرت گشتیم، کسے اشتیاقِ ما بہ رساند کہ توبہ نمودہ ایم، نیز ظاہر سازد، و مدار المہام راقم الحروف (یعنی افضل قاقشال) را بہ حضور طلب داشت، حسب الامرِ عالی، بہ جنابِ آں درویش شتافت و بہ گزارشِ امرے کہ شدہ بود، بہ تقریرِ مناسب پرداخت، بعد از استماع راضی بہ ملاقات گشتہ، در تکیۂ درویشے کہ قریب بہ لشکر..... بود تشریف آوردہ، نوابِ عالی جناب بہ خدمتِ اُو رسیدہ، فیضِ صحبت دریافت۔ کیفیتِ مرقومۃ الصدر کہ محرر تحریر نمودہ، بلا شائبۂ تفاوت، و خارج از اغراضِ نفسانی است[1]

نواب صاحب کے شہیدِ صادق ہونے کی نسبت ایک اور پُراثر واقعہ آزاد بلگرامی، اپنی کتاب سروِ آزاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

"میرے ایک دوست، حافظ محمد اسعد مکی (رحمۃ اللہ) نہایت پرہیزگار اور عالم باعمل تھے اُنھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ ناصر جنگ کے قتل کے سات روز بعد، فجر کی نماز پڑھ کر قبلہ رُو بیٹھے ہوئے تھے، اور یکایک اُن کے ذہن میں اُس وقت یہ خیال گھومنے لگا کہ ناصر جنگ چوں کہ دھوکے اور ظلم کے ساتھ قتل کیے گئے ہیں، آیا ایسی صورت میں نوابِ مرحوم کو شہید سمجھا جا سکتا ہے؟ اور کیا انھیں شہادت کا درجہ میسر ہوا ہوگا؟ یہی خیالات دماغ میں گھوم رہے تھے کہ اس اثنا میں، بلا ارادہ مجھ پر ایک غنودگی کی سی کیفیت طاری ہو گئی، اور اس حالت میں

[1] تذکرہ تحفۃ الشعرا قلمی صفحہ

مجھے عربی لباس پہنے ہوئے دو شخص دکھائی دیئے، جو آپس میں گفت گو کر رہے تھے، ایک نے دوسرے سے پوچھا "کیف شھادۃ نظام الدولہ" (یعنی نظام الدولہ ناصر جنگ کی شہادت کس قسم کی ہے) تو دوسرے نے جواب دیا کہ انہ لشھیدٌ واللہ لعن قاتلاہ" (یعنی بے شک وہ شہید ہیں، اور اللہ ان کے قاتلوں پر لعنت بھیجتا ہے)"

"حافظ صاحب کہتے ہیں کہ جب میں بیدار ہوا، تو مجھے بڑی شرمندگی ہوئی اور یقین کامل ہو گیا کہ درحقیقت وہ شہادت کے مراتب پر فائز ہوئے ہیں۔ پھر اچانک بطورِ القایہ بات ذہن میں گزری کہ اِس عبارت کے اعداد جوڑ دیکھنے چاہئیں، شاید تھوڑے سے تغیر وتبدل کے بعد، تاریخ شہادت نکل آئے حسنِ اتفاق کہ جب حساب کیا، تو بغیر کسی کمی اور زیادتی کے تاریخ نکل آئی"[1]

ایک مزید واقعہ لکھا ہے کہ کسی اور شخص نے بھی اُن کی شہادت کے بعد، اُسی مقصد سے ان کا دیوان کھولا، تو شروع صفحہ پر یہ مطلع نکلا ؎

گر تراخواہشِ قتل است، بیا بسم اللہ! دمِ شمشیرِ تو، وُ، گردنِ ما، بسم اللہ

نواب شہید کی زندگی ہی میں اُن کے قلم سے ایسے متعدد اشعار ٹپک چکے تھے جن سے اُن کے شہید ہونے کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا،

لیکن اُس وقت اِس شاعرانہ اندازِ بیان کا کسے یقین تھا کہ یہ اشعار مشیتِ ایزدی کا صحیح پیش خیمہ بنیں گے۔ بطورِ مثال ایک شعر درج ہے، جس میں نواب مرحوم نے صاف صاف بتا دیا ہے کہ ؎

از پنجۂ اجل، نہ ہراسیم، ہیچ گہ ماناف خود، بہ تیغِ شہادت بریدہ ایم

---

[1] "انہ لشھید واللہ لعن قاتلاہ" سے ۱۱۶۴ھ برآمد ہوتے ہیں ۱۲

آزاد بلگرامی نے اِن کی شہادت کی دو تاریخیں لکھی ہیں، پہلی تاریخ ہے ؛۔

نوابِ عدل گستر عالی جناب رفت | فرصت نہ داد تیغ حوادث شتاب رفت
در ہفدہم ز ماہِ محرم شہید شد | تاریخ گفت نوحہ گرے، آفتاب رفت
۱۱۶۴ھ

اور دوسری تو نہایت ہی عمدہ تاریخ لکھی ہے، جس کے یہ اشعار ہیں :۔

نواب آفتاب جہاں تاب معدلت | محشور با جنابِ حسین ابن فاطمہ
تاریخ خواستم ز برائے شہادتش | ارشاد کرد پیرِ خرد حُسنِ خاتمہ
۱۱۶۴ھ

عارف الدین خانِ عاجز نے بھی اس سانحہ کی نسبت ایک مرثیہ لکھا ہے، جس کے چند شعر پیش ہیں :۔

دائیٔ ملک و جاہ، ناصر جنگ | بود در عزم و خطا، سکندر و جم
در محرم شہیدِ اکبر شد | از قضائے مُعلق و مبرم
شد سرش، چوں سرِ امام حسینؑ | بسرِ نیزۂ یزید، علَم
ہر کہ دید، آہ کرد و بے دم گشت | ہر کہ بشنید، گفت از ماتم
وہ ! چہ شد، آں نشانِ آصف جاہ | وہ ! چہ شد، آں خلاصۂ عالم
فکر سالِ شہادتش کردم | بفلک رفت، گردِ فوجِ الم
دہر تاریک گشت و ہاتف گفت | "شد نہاں آفتاب اوجِ کرم"[1]
۱۱۶۴ھ

ناصر جنگ کا چِلّہ خورشید جاہی کا مؤلف کہتا ہے کہ شہادت کے بعد بھی لوگ ناصر جنگ کے تصرفاتِ روحانی کے قائل تھے، چناں چہ بلدۂ حیدر آباد میں اِن کے نام کا ایک چِلّہ قائم ہے جہاں لوگ بطورِ نذر گائیں اور بیل چھوڑا کرتے ہیں، جن سے کوئی کام نہیں لیا جاتا، اور نہ کوئی اِن کو ذبح کر سکتا ہے، بلکہ جب اُن کے پاس یہ جانور جاتے ہیں، تو عوام بہت ہی احترام کے ساتھ، برکت و ثواب کی نیت سے، انھیں دانہ چارہ کھلاتے ہیں۔

[1] تحفۃ الشعراء مشت

یہ جانور شہر کی گلی کوچوں میں پھرا کرتے، اور لوگوں کی خوش عقیدگی کی وجہ سے خوب کھانے کو ملتا تھا، اس لیے بہت ہی موٹے اور تازے ہوا کرتے تھے اور عرف عام میں، ان کو "ناصر جنگ کا ہیلہ" کہا جاتا تھا، موجودہ زمانہ میں، جہاں بہت سے رسوم و عقائد ترک ہو گئے، وہاں اب یہ چیز بھی باقی نہیں رہی، اور جس جگہ چلہ تھا وہ محلہ بھی اب گم نام ہو گیا ہے، البتہ نذر کے ان جانوروں کی بدولت، ایک کہاوت وجود میں آئی، جو آج تک دکن میں، لوگوں کی زبان پر ہے، جب کوئی آدمی مفت کی روٹی کھائے، اور نہایت فربہ اندام ہو جائے تو ایسے کو "ناصر جنگ کا ہیلہ" کہا کرتے ہیں[1]

---

[1] اس کے سوا، دکن کے بچوں، اور جاہل نوجوانوں میں ایک کھیل رائج تھا، شاید اب کہیں دیہات میں خال خال باقی ہو۔ اس کھیل میں دس پانچ افراد شریک ہوتے، اور اپنے مقررہ طریقے کے مطابق قرعہ اندازی کرتے ہیں، جو "چور" بنتا ہے اُسے گھوڑا بنایا جاتا ہے اس کے بعد کھیلنے والوں میں سے اولاً ایک شخص اُس چور کی پشت پر، دوڑتے ہوئے آکر سوار ہوتا، اور یہ بول ادا کرتا ہے "اٹک مٹک چمپا، گگیر (یا بتور) دیا ڈمکہ، ناصر جنگ کے ہیلے یہ بارہ تیتر مارے تو بول بھڑوا (شریک بازی، یا شرا کتے (کتنی)؟" اس بول کے الفاظ کے ختم ہونے کے ساتھ ہی، اس گھوڑا بننے والے بےچارے چور کے سر پر، سوار ہونے والا کھلاڑی، اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو جتنے چاہتا کھول دیتا، اور جس تعداد میں یہ انگلیاں کھولی جاتیں، اگر چور اُس کو بن دیکھے صحیح بتا دے تو اس کی بجائے، اُس پر سوار ہونے والے کی شامت آتی، اور اسے سواری دینی پڑتی۔ اگر چور غلط جواب ادا کرتا، تو اس کے ساتھ دوسرا آتا اور اچک کر سوار ہو جاتا اس کو بھی جواب غلط ملتا تو اسی طرح کھیل میں شریک ہونے والے یکے بعد دیگرے، سارے سوار ہو جاتے، اور اُس چور (گھوڑا بننے والے) کی پشت و کمر کا اللہ ہی حافظ ہوتا تھا۔

اس بول کے متعلق میرے دوست مروی حکیم سید عبدالستار صاحب مددگار مہتمم مخزن ادویہ یونانی سرکار عالی نے یہ توجیہ بیان کی کہ "چمپا" کسی معشوق کا نام تھا، "اٹک مٹک" کے الفاظ انداز و ادا کے لیے دکن کے دیہاتی استعمال کرتے ہیں، "گگیر" غالباً کسی عاشق کا نام تھا، "ڈمکہ دیا" سے مراد فخریہ کہا۔ "ناصر جنگ کے ہیلے یہ بارہ تیتر مارے" کا مطلب یہ ہے کہ گزشتہ زمانے میں جن قصبات و مقامات پر نواب شہید کے چلے تھے، اور ان کے نام سے جو

ناصر جنگ کے قتل کی یادگار میں "ڈوپلے فتح آباد" اور ایک منار کی تعمیر

ناصر جنگ کے مارے جانے سے ڈوپلے کی مسرتوں کی انتہا نہیں رہی، اور اپنی اس کامیابی کو وہ ایک اہم کارنامہ سمجھنے لگا، چناں چہ بعض مورخ راوی ہیں کہ اُس نے اِس ناپاک اور سازشانہ کارستانی کی یادگار قائم کرنے کی تجویز سوچی، اور اُسی مقام کو جہاں نیک دل نواب شہید کیے گئے تھے، ایک منار تعمیر کرایا، جس کے چاروں رُخ پر اسی کے حکم سے فارسی، ملآیا (ملیالم)، فرانسیسی اور ہندوستانی (غالباً اردو) زبانوں میں اُس کا نام اور معرکے کا حال کندہ کیا گیا تھا، اور اِس جگہ ایک بستی بسائی گئی، جو "ڈوپلے فتح آباد" سے موسوم تھی، تاکہ وہ آنے والی نسلوں کو عموماً فرانسیسیوں اور خصوصاً خود اُس کی بہادری کے کارنامے یاد دلاتی رہے۔

لکھا ہے کہ اِس واقعے کے کچھ عرصہ بعد ہی، ہندوستان اور سارے یورپ میں ڈوپلے کو جس قدر بدنامی اٹھانی پڑی، عیاذاً باللہ۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ خود اُس کی قوم

(بقیہ صفحہ گزشتہ) بیل اور گائیں چھوڑی جاتی تھیں، عموماً یہ جانور سویرے ندیوں اور تالابوں کے کنارے پانی پینے کے لیے جایا کرتے تھے جب کہ اُجالا خفیف سا ہوتا تھا، اِس لیے بعض شکاری ان کی پشت پر کمبل اوڑھ کر اپنے کو چھپائے ہوئے بیٹھ جاتے، چوں کہ تیتر اس وقت کثیر تعداد میں جنگلوں سے نکلتے ہیں، اور اِن جانوروں کی پشت پر اُڑان بھر کر بیٹھ جایا کرتے، اور کمبل اوڑھے ہوئے شکاری کو اندھیرا ہونے کی وجہ سے پہچان نہ سکتے تھے۔ اِس طرح بیٹھنے والے تیتروں کو یہ لوگ فوراً ترکیب کے ساتھ پکڑ لیا کرتے تھے

اِس بول کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص نے اِس طریقے سے بارہ تیتروں کا شکار کرکے، اپنے معشوق کے سامنے اِس کی شیخی بگھاری، تو اُس نے اِس کی بات تسلیم نہ کی اِس پر شکاری (عاشق) نے کہا کہ میں سچ نہیں کہتا ہوں تو اِس میرے ہیلے ہی سے پوچھ کہ کتنے تیتر مارے ہیں؟ یہ صحیح صحیح بتادے گا۔ اِس لحاظ سے اِس بول کا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے۔

(اے وہ) ناز و انداز دالی چھپا! گگیر (عاشق، علی الاعلان دیا فخریہ) کہتا ہے کہ (اُس نے) ناصر جنگ کے ہیلے پر سوار ہو کر بارہ تیتر کا شکار کیا ہے، (اگر یہ سچ نہیں تو، تو ہی اب لے) شریکِ کار (ہیلے) کھسٹے کہ کتنے مارے ہیں؟!

اُس پر لعنت بھیجتی تھی، اور اُس سے سخت نفرت کرتی تھی، عزت و حرمت کھونے اور بدنامِ آفاق ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں کہ اُس کے لیے اس کی زیست حرام، عبرت ناک اور عذابِ مسلسل بن گئی تھی۔

ایک بے گناہ رئیس کے خونِ ناحق کو یاد، دلانے والی ڈوپلے کی اس یادگار کو بھی منتقمِ حقیقی نے دو سال بعد ہی ۱۷۵۱ء میں لارڈ کلائیو کے ہاتھوں مسمار کرا دیا۔ اُس کا اور اُس کے موضع کا، نام و نشان تک باقی نہ رہا[1]

سیرت و اخلاق ناصر جنگ نے صرف دو سال سات مہینے دس روز حکومت کی اِن کی زندگی کے اِن حالات کو پڑھنے کے بعد، اُن کی سیرت و اخلاق کو آدمی بہ خوبی سمجھ سکتا ہے، اور اُن کے سوانح سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ فطرت سے، رحم دلی و خدا ترسی اپنے ساتھ لیتے آئے تھے، واقعات شاہد ہیں کہ وہ صد درجہ نیک سرشت صاف دل رئیس تھے۔ صفائے قلب کا یہ عالم کہ میدانِ جنگ میں بھی اُنھوں نے باغیوں کے خاموش اور باغیانہ حرکات دیکھنے کے باوجود، اُن کی بغاوت و سازش کا یقین نہ کیا، اور اپنی فطری خوبی، اعلیٰ اخلاقی جبلت کی وجہ سے، ہمت خاں باغی کو ملاطفت سے آمادۂ جنگ کر کے، بار بار پیش قدمی کے ساتھ سلام کیا، جس کے جواب میں اُن کو جان نذر کرنی پڑی، اور اِس کے سوا اتنے طویل عرصہ تک سازش ہوتی رہی، بعض مواقع پر اِس کا حال اُن تک پہنچا بھی، اور اِس کا انھوں نے اِحساس بھی کیا، لیکن باور نہ کر کے، اِس کے تدارک کی جانب کوئی توجہ نہ کی۔

نواب صاحب کا جانوروں پر رحم و کرم مذہب کے ساتھ اُن کا شغف اور اُس کی پابندی کی بھی مثالیں ملتی ہیں، یہ تو واضح ہو چکا ہوگا کہ پُر خطر حالات میں گھر جانے کے باوجود، تہجد کی نماز تک کو ناغہ کرنا پسند نہ کیا۔ رحم دلی کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ ارکاٹ میں ہرن کے

---

[1] کتاب ڈوپلے اور کلائیو کے حاشیہ صفحہ ۸۵ پر لکھا ہے کہ اس یادگار کا قائم ہونا صحیح نہیں معلوم ہوتا، اور جو شہر بیان کیا جاتا ہے وہ ایک مختصر سا گاؤں اور چوپال تھی (بحوالہ قومی خط و کتابت ۱۷۵۱ء صفحہ)

شکار کا ارادہ کیا، تو سپاہیوں نے ایک پلا ہوا ہرن ان کی خدمت میں پیش کیا۔ حکم ہوا کہ اُس کو اُن کی مسند کے قریب لا کر بٹھایا جائے۔ جب ملازمانِ پیشی نے تعمیل کی، تو حاضرینِ دربار سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آیا ہم اس کا شکار کریں، یا چھوڑ دیں۔ رجحانِ طبع سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ شکار کی طرف مائل ہیں، اس لیے دربار کے مزاج شناسوں نے یہ محسوس کر کے عرض کی کہ سرکار! اس ہرن کو شکار ہی فرمانا چاہیئے۔ اُن کو اپنے مقصد کے مطابق جواب ملنے کے باوجود، بہ طورِ خاص علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ تو آزاد مرحوم نے معروضہ کیا کہ مجھے اس موقع پر ایک نقل یاد آئی ہے، اگر حکم ہو تو عرض کروں۔ نواب صاحب نے کہا، فرمائیے، تو کہنے لگے کہ :-

"کسی بادشاہ نے ایک قیدی کے قتل کا حکم صادر فرمایا، اور قتل سے پہلے، حسبِ قاعدہ اُس سے پوچھا گیا کہ تیری دنیا میں کوئی آرزو ہے، تو اس نے کہا کہ ہاں! میری صرف ایک تمنا یہ ہے کہ میں ایک دفعہ بادشاہ کی مجلس میں، باریابی کی عزت حاصل کروں۔ خدام نے سلطان سے اس واقعے کو بیان کیا، تو اس نے حکم دیا کہ حاضر کیا جائے جب حاضر ہوا تو اس سے پوچھا کیا چاہتا ہے؟ کہا کچھ نہیں۔"

"جب دربار برخاست ہوا، اور بادشاہ جانے لگا، تو اس وقت قیدی نے آگے بڑھ کر عرض کی کہ جہاں پناہ! میں تو گناہ گار اور قابلِ دار ہوں، مگر دربارِ شاہی کی باریابی کا جو شرف حاصل کر چکا ہوں، اُس کی وجہ سے، بادشاہ سلامت پر، میرا حقِ مصاحبت پہنچتا ہے، اور کوئی شخص اپنے رفقاء کو موت کے گھاٹ نہیں اُتارتا۔ بادشاہ اُس کے اس حُسنِ معروض سے مسرور ہوا، اور اُس کو جان کی امان دے دی۔"

بالکل اسی طرح یہ ہرن بھی مسند شاہی کے قریب بیٹھنے کی عزّت حاصل کرکے اپنا حقِ صحبت ثابت کر چکا ہے، آیندہ حضورِ والا کی مرضی۔

ناصر جنگ یہ لطیفہ سن کر فوراً مسکرا اُٹھے، اور ارشاد فرمایا "مولانا آزاد میں نے اِس ہرن کو بھی آپ کے ہم نام کر دیا۔"

الغرض نوابِ مرحوم میں کثرت سے عمدہ خصائل جمع تھے، اور اُن کے والد کی تربیت نے انھیں بہت ساری خوبیوں کا حامل بنا دیا تھا، لیکن افسوس کہ اِن خوبیوں کے ساتھ اُن کے رئیس ہونے کی وجہ سے اُن میں سیاست، تدبر اور دور اندیشی بھی ہونی چاہیے تھی، لیکن طبیعت پر کافی خلق و مروت کے غلبے سے ان میں بڑی حد تک وہ کم واقع ہوئے تھے۔ اِس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے پدرِ بزرگوار کی طرح اولوالعزمی اور ثابت قدمی بھی نہ رکھتے تھے، جس کی کہ ایک حاکم کو سخت ترین ضرورت ہوتی ہے۔ اِن ہی چند صفات کی کمی ان کی حکومت کی ناکامی کا باعث ہوئی۔

نواب صاحب کے متعلق انگریز اور دیگر مورخین کی رائے حدیقۃ العالم کا مؤلف اِن پر رعونت کا الزام لگاتا ہے[1] ہم سمجھتے ہیں کہ اُس نے یہ بات تاریخ فتحیہ کو پڑھ کر لکھی ہے، البتہ رعونت کی بجائے اِس کو اُن کی "خود رائی" کہا جا سکتا ہے، وہ کہتا ہے:-

"نواب ناصر جنگ را رفقا کہ از جہتِ رعونتے کہ در مزاج داشت فرا خورِ رتبۂ ہر کس، سلوک نمی نمود، ناخوش بودند، واز حقیقتِ حال کماہی اطلاع نمی داد ند۔"

ان کی بہادری میں کسی شبہ کی گنجایش نہیں، دوست، دشمن، سبھوں نے مانی ہے نیز، جس وقت یہ اپنے والد آصف جاہ اوّل سے بغاوت کرکے گرفتار ہوئے، تو آصف جاہ، میدانِ جنگ میں، اپنے بیٹے کی بہادری کو دیکھ کر، خود بھی مسرور ہوئے تھے۔ اس کے سوا، فرانسیسیوں کے آخری شب خون کے وقت جراءت

[1] حدیقۃ العالم مقالۂ دوم ص ۱۷۱۔۱۲

و بہادری سے، بغیر کسی فوجی لباس اور ہتیار کے، ان کا میدان جنگ میں چلا آنا ان کی شجاعت اور نڈر دلیری پر دلالت کرتا ہے۔ صاحب سیر المتاخرین بھی، اس باب میں اُن کا بے حد رطب اللسان ہے، کہتا ہے :۔

"جوان، صاحبِ جرات، و ہوشیار، صاحب فطنت بود و استعداد شعر و شاعری، ہم بقدر داشت، با وجودِ جوانی و دولت، خالی از محامد اوصاف نہ بود۔ در نیابتِ پدر و بعدِ انتقالش کہ باصالت، در دکھن تمکن یافت مرہٹہ را، اکثر بضربِ دستِ خود، مغلوبِ داشت۔ چناں چہ انشاء اللہ تعالیٰ در ذکر غنیم بہ اِجمال اشعار سے بآن خواہد شد۔ در رعبِ او، در دلہائے رؤسائے مرہٹہ بہ نوعے، مادام الحیاتِ او مستولی بود کہ بالاتر ازاں متصور نیست، و تا زندہ بود، مرہٹہ پا از حدِ خود بیرون نہ گذاشت"[1]

مخالفین کی زبان سے بھی ان کے متعلق سنیئے، یوسف محمد خاں (مؤلف تاریخ فتحیہ، طرف دار مظفر جنگ) کے الفاظ ہیں :۔

از بس کہ مزاجِ عالی دودمان (یعنی ناصر جنگ) خود پسند و متکبر بود، با رفقائے خود کہ سرانِ فوج و متصدیاں بودند، سلوک متکبرانہ می نمودند، و آں ہا بنا بر لاچاری، رضا بہ قضا دادہ متحمل می شدند، لیکن از دل مخالفت و ناموافقت داشتند۔ اگرچہ فقیر در آں وقت، در آں جا، حاضر نہ بود، اما زبانی ثقات شنید کہ ایں معنی موجب انواعِ فساد گردید"[2]

ہنری ڈاڈول کی رائے پڑھیئے، وہ کہتا ہے کہ :۔

"ڈوپلے کے بیان کی اتباع میں مورخین (مغرب) نے ناصر جنگ کو سست

---

[1] سیر المتاخرین مطبوعہ نول کشور ص۶۰۳ ۲۔
[2] تاریخ فتحیہ قلمی ص۲۸ ۲۔

بزدل، اور عیش پسند لکھا ہے، لیکن یہ درست نہیں[1]
اور گرانٹ ڈف رزیڈنٹ ستارا اپنی تاریخ مرہٹہ میں لکھتا ہے :-

Nasir Jung was totally destitute of his father's prudence and if successful in his fortunes, would probably have sunk into a Mahomedan sensualist ; but he was in some respects, a superior person, and with a better educa- tion in a European country, he had many of the qualities to form the gallant knight and the accomplished gentleman. He possessed bravery and generosity, a taste for poetry and literature, and as he came to an untimely end, his memory is cherished by the Deccan

ناصر جنگ میں اپنے والد کی سی عاقبت اندیشی اور احتیاط نہ تھی، اگر وہ کامیاب ہو بھی جاتے، تو ایک نفس پرست مسلمان سے زیادہ ممتاز ثابت نہ ہوتے تاہم اُن کے اندر بعض ایسی اعلیٰ خصوصیات ضرور موجود تھیں کہ اگر اُن کو کسی مغربی ملک کی تعلیم و تربیت میسر آتی، تو وہ ایک بہادر سردار، اور صاحب فضل و کمال انسان بن جاتے۔ شجاعت اور فیاضی کے علاوہ ان میں ادب اور شعر کا بڑا اچھا ذوق تھا، اور چوں کہ

[1] ڈوپلے اور کلا یو صفحہ

Moghuls, to whom he is known partly by his own writings, but principally from the works of his friend Meer Ghulame Ally of Belgram.

ان کی موت کچھ بے وقت ہوئی، اس لیے اس چیز نے دکن کے مغلوں میں انھیں بہت ہر دلعزیز بنا دیا۔ نہ صرف اُن کی ذاتی علمی کوششوں نے بلکہ ان کے دوست میر غلام علی بلگرامی کی تصانیف نے بھی اُن کے نام کو یادگار بنا دیا۔[1]

ساری کتاب مطالعہ سے گزرنے کے بعد اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اکثر یہ مغربی مورخ، اپنے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود، کس قدر متعصب ہوتے ہیں۔

ولکس نے اپنی کتاب "ہسٹاریکل اسکیچز آف سدرن انڈیا" میں، ناصر جنگ کے حالاتِ زندگی سے، اُن واقعات کو مثالاً پیش کرکے ثابت کیا ہے، کہ وہ بہادر اور شریف خصائل کے انسان تھے، یہ واقعات، مظفر جنگ کے قتل نہ کرنے، اور اپنے والد سے مقابلے کے موقع پر بہادری دکھانے والے حالات پر مشتمل ہیں۔[2]

---

[1] تاریخ مرہٹہ مؤلفہ گرانٹ ڈف مطبوعہ لانگمن پریس ۱۸۲۶ء جلد دوم صفحہ ۔ اردو ترجمہ کرم فرما مولوی حکیم محمد تقی صاحب بی۔اے عثمانیہ کا رہینِ منت ہے۔

[2] ہسٹاریکل اسکیچز آف دی ساؤتھ آف انڈیا، بائی لفٹنٹ کرنل مارک ولکس، پولیٹیکل ریذیڈنٹ اٹ دی کورٹ آف میسور مطبوعہ مدراس ۱۸۶۹ء صفحہ ۱۶۶

نواب ناصر جنگ کا فرمان راجہ تنجاور کے نام، جس پر خط خاص سے اضافہ فرمایا ہے -

باجازت ادارت مجلہ طیلسانین عثمانیہ

و کتب خانہ سعیدیہ حیدرآباد

چوتھا باب

علوم و فنون سے دل چسپی اس میں مہارت اور ان کی شاعری

ناصر جنگ کی مصوری موسیقی اور خطاطی ناصر جنگ کو لڑکپن ہی سے علوم و فنون کے ساتھ گہرا شغف تھا، چناں چہ انھوں نے عربی، فارسی زبانوں کے سوا سنسکرت[1] میں بھی بہ درجۂ احسن مہارت پیدا کی تھی، اور بلحاظ ایک رئیس کے نہیں بلکہ عام حیثیت سے بھی علوم متداولہ میں کافی دستگاہ حاصل تھی، فنونِ لطیفہ میں تو، خصوصیت سے، موسیقی اور مصوری کی طرف اِس قدر توجہ کی تھی کہ اس میں اِن کا کمال، استادانہ منصب پر فائز تھا[2]۔ اس باب خاص میں ان کو خاندانِ آصف جاہی کا واحد تاج دار سمجھنا چاہیے۔ افسوس کہ ہماری نظر سے آج تک اِن کی مصوری کے نمونے اوجھل ہیں، اور نایاب حیثیت رکھتے ہیں شاہانِ آصفی میں سوائے حضرت مغفرت مآب کے، ان کا خط نہایت عمدہ، اور سب سے بہتر نظر آتا ہے جو اپنی مخصوص پختگی کے ساتھ، فنِ خطاطی میں اِن کی خاصی مشق و مزاولت کا آئینہ دار ہے۔

ارباب کمال کی سیادت نواب صاحب علم دوستی میں بھی امتیازی درجہ رکھتے تھے، اِسی لیے اِن کے دربار میں بہت سے صاحب کمال جمع ہو گئے، جن کی یہ ہمیشہ قدر دانی اور سیادت کرتے رہے، اور حضرت نظام الملک اول کے جمع کیے ہوئے فضلار کو بھی، متاعِ عزیز و ورثۂ پدری سمجھ کر، تادمِ زیست اپنی بارگاہ سے جدا ہونے نہ دیا۔ جو اُس وقت سارے ہندوستان میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ ان میں سے بعضوں کی وابستگی پر تو آصف جاہ

---

[1] چمنستانِ شعرا، ص۱۲ [2] چمنستانِ شعرا، ص۳۱۲

فخر کیا کرتے تھے، یہ اصحاب حسب ذیل ہیں:-
صمصام الدولہؒ شاہ نواز خاں، علامہ میر غلام علی آزادؔ بلگرامی، موسوی خاںؒ جرأت
اورنگ آبادی، رضویؒ خاں (داماد موسوی خاں) مرزا جانؒ رسا، نقد علی خاںؒ ایجاد۔
اور آزاد بلگرامی نے تو ناصر جنگ کی سرپرستی کی بدولت علم و ادب کی جو خدمت
کی ہے، اُسے مشرق کی اسلامی دنیا، ادب و احترام کے ساتھ اب تک قدر و منزلت کی
نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اور شاہ نواز خاں کی ضخیم ترین کتاب مآثر الامراء تو ہندوستان
کی تاریخ پر غیر فانی احسان ہے۔ ایسے گرامی علمار کی وجہ سے ہمیشہ ان کی شاہی محفل، علمی
ذکر و افکار سے معمور نظر آتی، جس کے وہ انتہائی دل دادہ تھے۔
علمی لطائف ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اورنگ آباد میں نواب شہید نے چند عرب سادات
کی ضیافت کی، کھانے کے بعد قہوے کا دَور چلنے لگا، جو نواب صاحب کے بے حد مرغوب
مزاج تھا۔ عرب مہمانوں میں سے ایک نے، جو ہندوستانی درباروں کے ادب و آداب سے
ناواقف تھا، ناصر جنگ سے کہا کہ "القهوة محرمة عند بعض العلماء" (یعنی
قہوہ بھی بعض علمار کے نزدیک حرام ہے) نواب صاحب یہ سن کر آزاد کی طرف متوجہ
ہوئے، اور پوچھا کہ مولانا آپ کا اس بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ تو اس پر انھوں نے
عرض کی کہ شیخ کی اس گفتگو کا مطلب یہ ہے کہ بعض علمار کے نزدیک قہوہ بھی نہایت
ہی معظم و محترم ہے۔ نواب شہید نے یہ سن کر سکوت اختیار کیا، اور شیخ نے
بھی فوراً اس مفہوم کو محسوس کر لیا۔ مجلس برخاست ہونے کے بعد آزاد کا شکریہ ادا
کر کے کہا کہ آپ نے میری بات رکھ لی، اور میری گفتگو کی خوب توجیہہ کی۔
ایک وقت نواب صاحب ہاتھی پر سوار چل رہے تھے، اور آزاد بھی دوسرے
ہاتھی پر اُن کی رکاب میں تھے۔ راہ میں کچھ علمی بحث شروع ہوئی۔ اثنائے کلام میں
"جبل اُحد" کا ذکر آیا، جس کے متعلق یہ حدیث وارد ہے کہ "هذا جبلٌ يحبنا و نحبه"

تو علامہ مرحوم نے اسی مضمون کو چند اور خیالات کے ساتھ، نظم کر کے ان کو سنایا

هو ناصر الاسلام سلطان الورى ابقاه فى العيش المخلد ربه

حاز المناقب والمآثر كلها جبل الوقار محتبنا ونجبه

جسے سن کر نواب صاحب مسرور ہوئے۔

نواب صاحب کی فارسی شاعری شعر و شاعری سے ان کی دل چسپی فطری تھی، اور وہ اس کا حد درجہ ذوق رکھتے تھے، جو انھیں آبائی طور پر ملی تھی، آزادِ بلگرامی سے مشورۂ سخن فرماتے، اور اپنے والدِ بزرگوار کی خدمت میں بھی اپنے شعر بھیجتے تھے رسالۂ دربارِ آصفیہ کا مؤلف منسارام پیش کارِ بارگاہ لکھتا ہے کہ اگر کوئی شعر حضرت آصف جاہ کے ذہن میں آتا، تو وہ اس کو اپنے خطِ خاص سے تحریر فرما کے، دار السلطنت کے شعرا کے پاس بھیجنے کے سوا، اکثر و بیشتر، بطورِ خاص صاحب زادے کے مذاق کو بڑھانے اور بلند فرمانے کے لیے، ناصر جنگ کے پاس بھی بھیجتے۔ اور یہ خود بھی جو کچھ کہتے، اُسے اپنے پدرِ عالی قدر کی خدمت میں روانہ کیا کرتے تھے۔ اس طرح باپ اور بیٹے میں خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہتا۔ چناں چہ ایک دن نواب شہید نے، حضور کی بارگاہ میں یہ بیت لکھ کر روانہ کی ؎

مرنجاں خاطرم جاناں، مزاجِ ناز کے دارم تو گر از حسن مغروری من از عشق تو مغرورم

نواب مغفرت مآب نے اس کو ملاحظہ فرما کر، لانے والے سے ارشاد فرمایا کہ، جا کر کہو کہ اس شعر کا عیب ہم تمھارے سامنے خود بیان کریں گے۔ اتفاق سے ناصر جنگ خود آگئے، تو حضرت ان کی طرف مخاطب ہوئے، اور ارشاد فرمایا کہ تمھارے بھیجے ہوئے شعر میں یہ عیب ہے کہ مغروری کی نسبت عاشق کے لیے زیبا نہیں۔ نواب شہید جو بیٹھے ہوئے تھے، فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے، اور آداب بجا لا کر عرض کرنے لگے کہ "نہ خیرا! عاشقِ معشوق مزاجیم و ایں بیت در شانِ حضرت گفتہ است" یہ کہا اور رخصت ہو گئے۔

تو آصف جاہ بہادر مسکرا کر خاموش ہو رہے۔

بعد کو معلوم ہوا کہ، ناصر جنگ نے اِن دنوں حضور میں اپنے اضافے کے متعلق درخواست گزرانی تھی، تو حضرت نے اس میں کچھ ردو بدل فرمایا تھا، اس شعر میں اسی کی طرف اشارہ تھا۔ اور ان ہی دنوں آصف جاہ نے رائے پورن چند دیوان کے ذریعے، چند نصیحت آمیز باتیں بھی کہلا بھیجی تھیں، اور یہ مصرع خود اپنے دستِ مبارک سے تحریر فرما کے، اُس کے حوالے کیا تھا، تاکہ وہ ناصر جنگ کو پہنچا دے اور انھیں یہ سنائے کہ ہم چندون کے مہمان ہیں، ہمارے بعد یہ ساری ریاست تمھاری ہی ہے۔ وہ مصرع یہ تھا ع

اندکے بگزار تا سیر تحمل می کنم

ناصر جنگ نے پورن چند سے پند و نصیحت کی باتیں سننے کے بعد، فوراً قلم اٹھایا اور جواب میں دوسرا مصرع لکھا، اور رائے مذکور کو دے کر کہا کہ ہماری طرف سے آداب عرض کر کے یہ مصرع حضرت کے ملاحظہ میں گزران دینا ع

گر تو استغنا کنی، من ہم تغافل می کنم

ایک شاعرانہ علمی بحث آزاد بلگرامی ایسے معتبر و مبصر کی زبان سے ناصر جنگ کی شاعری کی نسبت اُن کی ذاتی رائے سنئے، جس کے ضمن میں ایک خاص علمی بحث کا بھی انھوں نے تذکرہ کیا ہے۔ خزانۂ عامرہ میں وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"ناصر جنگ ایک ضخیم دیوان رکھتے ہیں، وہ اشعار، جو فقیر کی ملاقات کے بعد انھوں نے کہے ہیں، بے سقم ہیں۔ اکثر مشقِ سخن فقیر کے روبرو کیا کرتے تھے، اور اسی وقت اصلاح بھی کر دی جاتی تھی، اور اگر غیاب میں کہتے، تو اُس کو سربہ مہر بھیجتے۔ فقیر بھی اصلاح کے بعد سربہ مہر روانہ کر دیا کرتا تھا۔ اس کے بعد وہ اُن اشعار کو لوگوں کے سامنے پڑھا کرتے، اور داخل دیوان کیا کرتے تھے۔ جو کلام کہ فقیر کی

ملازمت سے قبل کہا ہے، وہ اصلاح طلب ہے۔ نواب مرحوم نے فقیر کو اصلاح دیوان کے متعلق ارشاد فرمایا تھا، تھوڑی بہت اصلاح کی لیکن میرے دماغ نے یاری نہ کی۔ ایک رات غزل کہہ کے فقیر کے پاس بھیجی تو اصلاح کر کے روانہ کر دی۔ اس کی صبح کو دیوان خانے میں برآمد ہوئے تمام شعرائ اور اُمرائے رکاب، مثلاً صمصام الدولہ شاہ نواز خاں (جو بے نظیر شعر فہم تھے) موسوی خاں جرأت اورنگ آبادی، رضوی خاں داماد موسوی خاں، جو اس دور میں انشاء پردازی و شعر فہمی میں یکتائے روزگار ہیں) مرزا جان رسا، اور نقد علی خاں ایجاد وغیرہ حاضر تھے۔ ناصر جنگ نے رات کی اصلاح شدہ غزل پڑھنی شروع کی، اس کے ایک شعر میں لفظ "سرو خراماں" بہ معنی "درختِ سرو" نظم کیا تھا، اس کو سن کر جرأت نے کہا "سرو خراماں" قامتِ معشوق پر صادق آسکتا ہے، بجز "سرو" کے درخت کو "سرو خراماں" کس طرح کہہ سکتے ہیں، یہ سن کر ناصر جنگ نے فقیر کی جانب نگاہ کی جس کا مطلب یہ تھا کہ تم نے کیا اصلاح کی ؟ میں نے کہا کہ میرزا صائب بھی "سرو خراماں" سے صرف "درختِ سرو" مراد لیتا ہے، چناں چہ کہتا ہے

یک رہ برآر از آستیں، دستِ نگاریں در چمن
تا دست ہا پنہاں کند، "سرو خراماں" در بغل

نواب صاحب یہ شعر سن کر بہت مسرور ہوئے، اور اسے یاد کر لیا، اس کے باوجود جرأت نے کہا میرزا سے تعجب ہے کہ وہ "درختِ زمیں گیر" کو "خراماں" کہتا ہے، تو اس پر میں نے کہا کہ شعر کی بنیاد صرف تخیل پر ہے اور جو حرکت کہ درخت ہوا کے جھونکوں کی بدولت کرتا ہے، گویا وہ حرکت نہیں، بلکہ خرامانی ہے۔ سلمان ساوجی نے بھی "سرو خراماں"

اِن ہی معنوں میں استعمال کیا ہے، اور کہتا ہے ؎

سرو از صبا گرود چماں، تا چوں قدت باشد رواں
ہر چند بجز از، بآں "سرو خراماں" کے رسد

عربی میں "غص میاس" اور "شجر میاد" کثرت سے کہا جاتا ہے اور
میاس و میاد ہر دو کے معنی خراماں کے ہوتے ہیں۔"

نواب مرحوم میرزا صائب کے کلام کے بے حد پرستار تھے، اور اپنے اشعار کو اُسی کی طرز پر ڈھالنے کی کوشش کیا کرتے تھے، چناں چہ اُن کے دَواوین میں بے شمار غزلیں ملیں گی، جن پر "در تتبع میرزا صائب گفتہ" درج ملے گا۔ بے تامل کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے بڑی حد تک اُس کی پیروی کی کامیاب کوشش کی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ نازک خیالی اور مضمون آفرینی کی طرف زیادہ توجہ کی ہے، کلام کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ نئے نئے قوافی کو تلاش کر کے اُن کے استعمال کی بڑی کاوش کیا کرتے تھے۔ مشقِ سخن اس درجہ بڑھائی تھی کہ تھوڑی ہی دیر میں طول طویل غزلیں کہہ لیتے۔ آزاد کے بیان سے تو ثابت ہے کہ اکثر وہ ان ہی کے روبرو کہتے، یعنی زورِ طبع اس قدر بڑھا ہوا تھا۔ چوں کہ یہ کتاب تاریخ کی ہے، اِس لیے ہم ان کی شاعری پر تفصیلی رائے زنی سے اجتناب کرتے ہیں۔

نواب نے تخلص ناصر اختیار کیا تھا۔ اکثر اصحاب کو ان کی شہادت سے متعلق آزاد بلگرامی کے قطعۂ تاریخ وفات کے باعث شبہ ہوتا ہے کہ اُن کا تخلص آفتاب بھی تھا لیکن ہمیں ایک عرصہ کی جستجو کے بعد بھی اِس کی کوئی تاریخی و تحریری شہادت دست یاب نہیں ہوئی، اور نہ اِس تخلص سے کوئی نمونۂ کلام ملا۔ ان کے فارسی تین ضخیم دیوان آج تک یادگار ہیں، جو سنہ ۱۳۱۱ھ میں مرزا نصر اللہ خاں دولت یار جنگ فدائی کے اہتمام سے، حیدرآباد کے شاہی مطبع "رکاب سعادت" میں چھاپے گئے

دیوان اول :- "الف تا نے" کی ردیف کو حاوی ہے، اور (۶۲۱) صفحوں پر مشتمل
دوسرے :- میں صرف ردیف "دال" ہے اور اس کے (۵۲۹) صفحات ہیں
تیسرا دیوان :- بھی کچھ کم نہیں، اِس کے بھی (۴۷۹) صفحے ہیں، اور اس میں ردیف
ذال سے ی" تک کے اشعار جمع کیئے گئے ہیں۔

اِن دواوین کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ قریبًا ہر غزل کے ساتھ، اس کی تاریخ، جس مقام پر، جس وقت، اور جس کے تتبع میں کہی گئی ہے، اُس کی صراحت درج ہے، اس کی وجہ سے اِن کے کلام پر تاریخی حیثیت سے بھی نظر ڈالی جا سکتی ہے، اور ایک اچھا خاصا مقالہ تیار ہو سکتا ہے۔ لچھمی نارائن شفیق نے لکھا ہے کہ میں نے ناصر جنگ کے دستخط خاص سے مزین ان کے دیوان کا ایک نسخہ دیکھا تھا، جس میں قریبًا چھے ہزار بیت[1] تھے۔

ناصر جنگ کا ایک خاص قلمی دیوان

راقم الحروف نے بھی کتب خانۂ آصفیہ (حیدر آباد) میں ان کے دیوان کے مسودات کی ایک بیاض دیکھی ہے، جس کو مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی (نواب صدر یار جنگ بہادر سابق صدر الصدور حکومت آصفیہ) نے اس کتاب خانہ کے لیے خرید فرمایا تھا۔ اِس کی ابتدا میں ان کی حسب ذیل قلمی تحریر موجود ہے :-

"بہ قیمت یک صد و پنجاہ روپیہ بیاضِ مسودات ناصر جنگ شہید
نادرالوجود نسخہ، برائے کتاب خانۂ آصفیہ خرید کردہ شد" فقط
۱۲۔ خورداد ۱۳۲۲ف صدر یار جنگ کان اللہ لہ

یہ دیوان چھوٹی تقطیع کا ہے، جس کے (۱۹۸) صفحات ہیں۔ درمیان میں بعض جگہ اوراق معریٰ بھی رہ گئے ہیں۔ اِس کے کاتب دو تین معلوم ہوتے ہیں، خط نہایت پاکیزہ ہے افسوس کہ اس کا اول و آخر ناقص ہے، جس کی وجہ سے سنہ کتابت کا پتہ نہیں چلتا۔ بعض اشعار قلم زد کرکے، ان کی بجائے دوسرے شعر لکھے گئے ہیں، ہر غزل پر جو تاریخی

[1] چمنستان شعرا مطبوعہ ص ۱۲۱

یادداشتیں درج ہیں، دیوان کے عام خط سے علی حدہ پختہ وشکستہ خط میں ہیں معلوم ہوتا ہے کہ کاتب کے صاف لکھ کر پیش کرنے کے بعد کسی اور نے اضافہ کیے ہیں۔ موجودہ نسخہ کی حالت دیکھنے سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید نواب شہید نے لکھے ہوں۔ اس میں زیادہ تر سنہ ۱۱۶۶ھ کا اور کچھ سنہ ۱۱۵۵ھ و سنہ ۱۱۶۱ھ کا کلام ہے۔ مطبوعہ دیوان سے اس کے تقابل کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

اب بہت ہی مختصر اور نہایت سلیس اشعار کا ذیل میں انتخاب کیا جاتا ہے تاکہ معمولی فارسی جاننے والے بھی اسے سمجھ سکیں۔ نمونہ کلام میں تاریخی پہلو بھی پیش نظر رہا ہے۔

شد مسخر دیارِ کرناٹک — نظم گشت، کارِ کرناٹک[1]
بشکند، قیمتِ زمرد را — جلوۂ سبزہ زارِ کرناٹک
خاکِ او، حکمِ کیمیا دارد — حبذا! اعتبارِ کرناٹک
زر و سیم است، ہم چو ریگِ رواں — جا بجا، در دیارِ کرناٹک
بردہ فوقیت از جلال آباد — در حلاوت انارِ کرناٹک
مقدمِ فتح توامِ ناصر — باعثِ افتخارِ کرناٹک

اگر ز" غدرِ برادر" بہ چاہ خواہی شد — مخور غمے کہ تو صاحب کلاہ خواہی شد
اگر تو، توبۂ صادق کنی ز صدق اے دل — یقیں شناس کہ پاک از گناہ خواہی شد
بہ رنگ عاریتی، ناز ہا مکن اے گل — دریں دو ہفتہ بہ گلشن تباہ خواہی شد
بکن گدائی در ہائے دل بہ دل ناصر — کزیں گدائیِ خود، پادشاہ خواہی شد

روئے او آفتاب را ماند — زلفِ او، صبح و تاب را ماند
خیمۂ نور بخشِ آصف جاہ — چادرِ ماہتاب را ماند

[1] نقل ۔ ۱۲

دلِ اُو بحرِ بیکرانِ کرم — دستِ فیضش سحاب را ماند
شفقت و لطف و مہر بر دلِ ما — کارہائے ثواب را ماند
نشہ بخش است حرفِ تلخِ اُو — بے تکلف شراب را ماند

"غزل ۸ بیت طرحی در مدح حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ کہ نسب خاص منتہی می شود بہ آں جنابِ تقدس مآب۔ نور نظر حضرت عزیزاں قدس سرہٗ روز پنجشنبہ سیوم شعبان المعظم ۱۲۱۱ھ در خیمہ خلوت خاص مضرب خیام نصرت انجام موضع تنور من اعمال میسور بر تالاب غلّی ہفت کروہے از سری رنگ پٹن۔ زیب و زینت ترتیب یافت"

پادشاہِ جہاں شہاب الدین — حامیٔ عاجزاں شہاب الدین
سرورِ سرکردۂ عزیزاں است — مقبلِ مقبلاں شہاب الدین
سلطنت بخش، بادشاہ نشاں — خسروِ خسرواں شہاب الدین
نسبِ ماست منتہی ناصر — بہ امامِ زماں شہاب الدین

(از دیوان قلمی)

"غزل ۱۴۔ بیت با دو مطلع، در مدح حضرتِ غوث الثقلین قدس سرہٗ روز چہار شنبہ نہم شعبان المعظم ۱۲۱۱ھ مقام تنور من اعمال میسور سہ کروہے از سری رنگ پٹن در خیمۂ خلوتِ خاص زیب و زینت ترتیب یافت"

شمعِ راہِ ہدیٰ است محی الدین — بہ خدا رہ نما است محی الدین
نورِ چشمِ جنابِ مصطفوی — خلفِ مرتضیٰ است محی الدین
آفتابِ سپہرِ عزّ و علا — صبحِ روشن لقا است محی الدین
بہ مریدانِ اُو گزندے نیست — دردہا را دوا است محی الدین

مظہرِ ذاتِ حضرتِ بے چوں — فخرِ ارض و سماست محی الدین
وصفِ او نیست حدِ من ناصر — بحرِ بے منتہا است محی الدین

(قلمی دیوان سے)

در باغِ جمالِ آں مہ مہر فریب — گفتم کہ بَرَے برم بآہنگ شکیب
انگشت نہادم بہ زنخدانش گفت — بر سیب منہ الف کہ گردد آسیب[1]

تاریخ ظفرہ میں لکھا ہے کہ شہادت کے قریب ۲۔ محرم ۱۱۶۴ھ ہجری کو ناصر جنگ نے جو اشعار موزوں کیے تھے، وہ اُن کا آخری کلام ہے جو ذیل میں درج ہیں۔

چہ بر چیند کسے از آشنائی — کہ گل کردہ بہارِ بے وفائی
ورق گردانیٔ وارند ہشدار — بوقتِ کارِ یاران دلائی
مرا کشتی، و قامت راست کردی — چہ در روزِ قیامت رونمائی
زخونِ دیدہ می خواہد دلِ من — کفِ پائے ترا سازو حنائی
گدائی گر ہوس باشد کسے را — تواں کرد از درِ دلہا گدائی
گدائی از درِ شاہِ نجف کن — اگر خواہی تو ناصر پادشاہی[2]

ناصر جنگ کی اردو شاعری نواب نے فارسی زبان کے سوا اردو میں بھی شعر گوئی کی ہے لیکن اتنے تھوڑے شعر ہیں، جو انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ شفیق کے تذکرے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کبت بھی کہا کرتے تھے۔ ریاضِ حسنی، طبقات الشعرا

---

[1] مطلب یہ ہے کہ میں نے معشوق کی تھوڑی پر اُنگلی رکھی، تو اس نے کہا کہ سیب (یعنی تھوڑی) الف (انگلی) نہ رکھ کر (کہیں وہ) آسیب نہ ہو جائے۔ اس میں لفظی صنعت سے کام لیا ہے کہ لفظ "سیب" کے آگے الف بڑھا دیا جائے تو وہ "آسیب" بن جاتا ہے، گویا تھوڑی پر انگلی رکھنا آسیب پہنچانا ہے۔

[2] تاریخ ظفرہ قلمی صفحہ ۱۰۱

اور چمنستانِ شعراء میں اُن کے حسب ذیل اُردو شعر ملتے ہیں۔

نین ترے شکار کرتے ہیں | دل ہمارا فگار کرتے ہیں
خوب رُو جب سنگار کرتے ہیں | آرسی پر بہار کرتے ہیں
کسی بیدا وسوں چمن میں آج | پھول سارے پکار کرتے ہیں
اہلِ دل گریۂ ندامت سیں | سیر ابرِ بہار کرتے ہیں
چشمِ بد دُور، دلبریں[1] سارے | اپنے ناصر کو پیار کرتے ہیں

یار خورشیدِ جہاں تھا مجھے معلوم نہ تھا | ذرے ذرے میں عیاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

اے کبوتر جا کے کہہ یوسف کو گوھر سے[2] نکل | چاہ سے تیری زلیخا ہو گئی ہے باولی

روزِ بد میں کس سے ہے یارِ رفاقت کی امید | گر زوال آتا ہے، ٹل جاتا ہے سایہ ساتھ سے

مجھے بھاری گلے والا گویا خوش نہیں آتا | کھٹکتا ہے کلیجے میں وہی باریک سُر والا

ناصر جنگ کے ہم عصر اور اُن کے دور میں حسبِ ذیل شعراء قابلِ ذکر تھے۔

مرزا داؤد[1] اورنگ آبادی، مرزا جان اللہ عشق[2]، شاہ سراج[3]، درگاہ قلی خاں سالار جنگ درگاہ[4]، محمد ماہ محرم[5]، نورالدین علی خاں رنگین[6]، غلام علی آرشد، ملا باقر شہید[7] عبدالقادر سامی[8]، صارم[9]، ایما[10]، یار[11]، حمید[12]، شفیق[13]، عارف[14]، عزلت[15]، عارف الدین خاں عاجز[16]

---

[1] چمنستانِ شعراء میں "دلبریں" کی بجائے "خوش نین" لکھا ہے اور "چشم بد دور" کی مناسبت سے یہی بہتر ہے۔

[2] شاید "تو گھر سے نکل" ہوگا ۱۲

کبت کا نمونہ تحفۃ الشعرا میں افضل قاقشال راوی ہے کہ حاجی سبحانی کلاونت[1] جو ملازمانِ سرکار سے تھا، میرے سامنے اُس نے یہ کبت جو حضرتِ سید المرسلین صلعم کی نعت میں ہے "راگنی دھناسری درباری" میں سنائی، اور کہتا تھا کہ یہ نوابِ مرحوم کی ہے، اور جس روز اس کو موزوں فرمایا تھا، اُس روز یہ حال تھا کہ مدینہ منورہ کی جانب منہ کرکے خود بدولت انتہائی رقت و کمال کے ساتھ پڑھتے اور گاتے رہے

حضرت رسول اللہ کے رحمۃ اللعالمین
شاہنشاہ تاج الانبیا مرشد الکاملین
جگ نستارن کام نوارن ناصر المومنیں
احمد تم پن شفاعت چاہت شفیع المذنبیں[2]

ختم

پروانہ کا حال اِس محفل میں، ہے قابلِ رشک اے اہلِ نظر
اک شب ہی میں وہ پیدا بھی ہوا، عاشق بھی ہوا اور مر بھی گیا
اکبر مرحوم

ہائے کُل چار برس

---

[1] دوسری کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شخص ناصر جنگ کے ساتھ مارا گیا لیکن مرزا افضل کے اِس بیان سے اس کا زندہ رہنا ثابت ہوتا ہے اِس کے قتل کی نسبت دیکھئے کتاب ہٰذا کا صفحہ ۱۵۱ ۱۲

[2] تحفۃ الشعرا، قلمی صفحہ ۱۲

ضمیمہ
حاشیہ متعلقہ صفحہ (۶۰) سطر (۷)

افواجِ آصفی کی شان شوکت فرانسیسیوں کے ایک خفیہ نویس اندازنگاپلے کے قلم سے

افواجِ آصفی اِس وقت، جس شان شوکت کے ساتھ ارکاٹ میں داخل ہوئی ہیں، اُس کی نسبت فرانسیسیوں کے ملازم ایک خفیہ نویس اندازنگاپلے کا بیان پڑھنے کے قابل ہے، جس سے اس سلطنتِ ابد پیوند کی عظمت کا ایک خاکا نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔ وہ ۲۱۔ فبروری ۱۷۵۱ء کے روزنامچہ میں لکھتا ہے کہ :۔

"نظام اپنے بیٹوں، عزیزوں اور اعیانِ سلطنت کے ہم راہ، اِس پُرشکوہ انداز سے آئے، گویا اُن کی ستر ہزار سوارہ فوج اور......[۱] پیدل سپاہ کا سیلاب، سطحِ زمین پر ٹھاٹھیں مارتا تندی و تیزی دکھلاتا ہوا آگے بڑھا چلا آرہا تھا۔ اِس کے لامتناہی سلسلہ میں ...... [۱] کوہ پیکر ہاتھیوں کے غول کے غول بھی تھے۔ آج ہی صبح اُنھوں نے طلوعِ آفتاب کے بعد، طلایہ گردی کی خاطر، صوبۂ ارکاٹ میں اپنے ڈیروں کی طنابیں کھینچ دیں۔ ذیل میں، اِس جمعیتِ عظمیٰ کے کئی حصّوں کی تفصیل بیان کرتا ہوں۔"

"نظام ۵۰ سال کے ایک معمر آدمی ہیں، ان کا جسم چھریرا، اور رنگ نہایت خوب صورت و جاذبِ نظر ہے۔ ان کے بڑے بیٹے ناصر جنگ ہیں جن کی عمر (۳۰) تیس سال ہوگی۔ ان کے دوسرے لڑکے محمد سعید خاں[۲] ہیں جو آٹھ سال کی عمر رکھتے ہیں۔ یہ دو نو بھائی کوچ کے وقت ایک ہی ہاتھی پر سوار

---

[۱] اصل کتاب ہی اعداد سے معرّیٰ ہے۔

[۲] یہ نام غلط لکھا ہے غالباً سید محمد خاں صلابت جنگ مراد ہیں!!

ہوتے اور ایک ہی ہَودہ میں بیٹھتے ہیں۔ اور جب پڑاؤ ڈالا جاتا ہے
تب بھی ایک ہی خیمے میں رہتے ہیں۔

بہرحال نظام، اپنی سواریٔ خاص میں ایک ہاتھی رکھتے، اور علیٰحدہ ڈیرے میں رہتے ہیں۔ اِن کے کیمپ کے عقب میں ایک اور شخصیت بھی خیمہ زن ہے، جن کا نام جمال الدین[1] ہے۔ اِن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ نظام کے فرزند ہیں، اور اپنے والد کے برابر رتبہ رکھتے ہیں۔ ان کے لیے بھی ایک ہاتھی مخصوص ہے، جو کوچ کے وقت نظام کے ہاتھی کے ساتھ ساتھ اور بازو چلتا ہے۔ ان کا کیمپ تو نظام کے خیمے سے ملحق ہے پاس پاس قریباً چالیس امرائے عظام کے ڈیرے نصب ہیں، جن پر نظام، اعتماد کامل رکھتے ہیں۔ مزید سو عہدہ دارانِ ریاست نے بھی یہیں پڑاؤ ڈالا ہے۔ صرف گولے بارود کی بار برداری کے لیے دو سَو ہاتھی مقرر ہیں، ان کے سوا اور سَو ہاتھی وہ ہیں، جن پر ساز و سامان لادا جاتا ہے۔ دیگر سَو کا گروہ، کوچ کرنے والی فوج کو جن اسباب کی ضرورت ہوتی ہے اُس کے بار کا ذمہ دار ہے۔ اِن کے علاوہ سَو ہاتھی توپوں اور اُن کی گاڑیوں کو کھینچنے کے واسطے، اور ایک سَو، نقارے، طبل، قرنائے و نفیری وغیرہ کے لیے مختص ہیں۔ نظام کی سواریٔ خاص کے آگے، بیس ہزار اور پیچھے دس ہزار سوار کی جمعیت رکاب میں چلتی ہے۔ اس فوج کے سوا، ریاست کے چالیس عہدہ داروں کے بیس ہزار سوار بھی مختلف کماں داروں کے تحت ہیں۔ عبدالنبی خاں نواب کڑپا کے بیٹے فتح میاں اور بڑے میاں بھی ساتھ ہیں

---

[1] اندارنگا پلے کو یہ نام غلط معلوم ہوا، یا اُس نے غلط تلفظ سنا۔ ممکن ہے کہ یہ ہدایت محی الدین خاں (مظفر جنگ)، آصف جاہ کے نواسے ہوں ان کے بڑے صاحب زادے غازی الدین خاں فیروز جنگ تو دلی میں ہی تھے

جن کا سوارہ لشکر تعداد میں تین ہزار ہے کیمپ میں پالیگار فوج بھی موجود ہے جن کے سردار "انو کنڈا وارو" اور "منو کنڈا وارو" وغیرہ... ہیں، ان کا لشکر علی الترتیب پانچ اور چھ ہزار سوار، اور ایک لاکھ پیدل سپاہیوں پر مشتمل ہے پنڈاروں کی تعداد بھی بے شمار ہے۔ راجہ چندر سین اور راجہ نبا لیسیا رودھی (غالباً نبالکر) جیسے ممتاز مرہٹے بھی نظام کی فوج کے ساتھ ہیں، جن کے ہم راہ اُن کے بیس ہزار سواروں کی ایک جمعیت ہے۔ یہ لوگ نہایت شان شوکت سے مقام ترویتی (غالباً تری وادی) کی دیول کی پوجا کے لیے گئے ہیں، جن کے متعلق بعضوں کا گمان ہے کہ وہ وہاں سے بھی آگے کوچ کریں گے، اور کانجی ورم سے گزریں گے اور چند قیاس کرتے ہیں کہ وہ دّرہ (؟) کا رستہ اختیار کریں گے۔"

"بیان کیا جاتا ہے کہ نظام کی فوج دریائے پنار سے لے کر تالاب کا ویری پاکم کے بند تک کے وسیع رقبہ پر پھیلی ہوئی ہے، اور ویلور کا علاقہ ان ہی حدود میں شامل ہے اور یہ بھی سمجھا جا رہا ہے کہ نظام ارکاٹ میں پندرہ بیس روز قیام کے بعد اپنے بیٹے ناصر جنگ کو یہاں چھوڑ کر، اپنی پوری فوج کے ساتھ ترچنا پلی کا رخ کریں گے اس مہم کا مقصد یہ بتایا جاتا ہے کہ میسور والوں کے حق میں وہ ترچنا پلی کا قبضہ منتقل کرا دیں گے۔"

عثمان بہادر نے نظام سے ملاقات کی، اور دیگر مشاہیر نے بھی اُن کی خدمت میں باریابی کا شرف حاصل کیا، جن کا تعارف امام صاحب نے کرایا۔ آیندہ کیا ہونے والا ہے، یہ کوئی نہیں جانتا۔ کہا جاتا ہے کہ کیمپ کا رقبہ قریباً ۱۰ مربع میل ہے ارکاٹ سے میرے پاس اسی طرح تحریری اطلاع وصول ہوئی۔[۵]

---

[۵] دی پرائیوٹ ڈائری آف انندا رنگا پیلے (از ۱۷۳۶ء تا ۱۷۶۱ء) جلد اول ص ۲۱۲-۲۱۳ اصل میں یہ روزنامچہ تامل زبان میں تھا، جس کا ترجمہ انگریزی زبان میں، گورنر مدراس کے حکم سے سر جے فریڈرک پرائس نے کیا، جو گورنمنٹ پریس مدراس سے ۱۹۰۴ء میں چھپا ہے۔